تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

سلسلہ نمبر ۳۶ اگست ۱۹۹۱ء محرم ۱۴۱۲ھ

تدبّر

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ

جاگئے اور جگائے رکھیے ــــ امین احسن اصلاحی / خالد مسعود ۳

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ انفال (۲) ــــــــــ خالد مسعود ۵

تدبر حدیث

ایمان و اسلام کے تقاضے ــــ امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۱۳

اشیاء کے مبادلے کے احکام ــ امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۲۳

اسالیب قرآن

تضمین ــــــــــ خالد مسعود ۳۲

مقالات

قرآن کا تصور جنگ ــــــــــ خالد مسعود ۴۱

مجلسِ ترتیب

☆ ———— خالد مسعود (مدیر)

☆ ———— عبداللہ غلام احمد

☆ ———— ماجد خاور

☆ ———— محبوب سبحانی

☆ ———— سعید احمد

ناشر: ———— ادارۂ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع ———— المطبعۃ العربیہ لاہور

قیمت ۵ روپے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تذکرہ و تبصرہ

امین احسن اصلاحی

جاگیے اور جگائے رکھیے

ادھر کچھ عرصہ سے یہ خیال مجھے بے حد پریشان کیے ہوئے ہے کہ ہمارے بچے کتنے خوبصورت ہیں، ان کی شکلیں اتنی موہنی ہیں کہ دیکھ کر پیار آتا ہے، ہم ان کو اچھا کھلاتے پلاتے ہیں، عمدہ کپڑے پہناتے ہیں، ان کی تعلیم پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں حتی کہ ان کو یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھیجتے ہیں، تو کیا ہم ان کی پرورش اور تعلیم کا یہ تمام سامان ان کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے کر رہے ہیں؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان کے پالنے پوسنے اور لکھانے پڑھانے میں تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے لیکن ہماری پوری اسکیم میں کسی مقام پر یہ سوال ہمارے سامنے نہیں ہوتا کہ ہمارے یہ پیارے بچے دوزخ میں جانے والے ہیں یا جنت میں۔

بچوں کی تربیت کے دو ہی ذریعے ہوتے ہیں۔ ایک خاندان کا ماحول، دوسرا تعلیم۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے اس کے متعلق یہ بات طے ہے کہ اس میں اور سب کچھ ہو تو ہو مگر دین بالکل نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں نوجوانوں میں دین سے دوری، انحراف اور سرکشی بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر یہ حال ہمارے ملک میں ہے تو یورپ اور امریکہ میں تو اس سے ہزار گنا زیادہ دوری پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس کے باوجود ماں باپ نہایت شوق سے بچوں کو یہ تعلیم دلاتے ہیں۔ وہ اس کے لئے روپیہ بہاتے ہیں اور مطمئن بھی ہوتے ہیں۔ نتیجہ کے اعتبار سے دیکھیے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے خرچ پر ان کو جہنم میں بھیجنے کا سامان کیا جا رہا ہے لیکن ہمیں جیسے بچوں کے اس انجام سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔

گھریلو ماحول کی طرف آیئے تو اس دور میں ہمارا رہنے سہنے کا انداز کچھ اس طرح کا ہو چکا ہے کہ لوگ رات گئے تک جاگتے اور صبح آٹھ نو بجے تک بستروں میں اٹا غفیل پڑے سوتے ہیں۔ اس صورت حال میں بچوں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ ان کی حالت اس وقت نہایت قابل رحم ہوتی ہے جب سکول بھیجنے کے لئے مائیں ان کو بستروں سے اٹھاتی، منہ دھلاتی اور کپڑے پہناتی ہیں اور وہ بے چارے اس پوری کارروائی کے

دوران سوئے ہوتے ہیں۔ گھروں میں نہ دین کا چرچا ہے' نہ شریعت کی پابندی کا احساس۔ آخرت کا تذکرہ تو بالکل ہوتا ہی نہیں' اس لئے کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ اسے ایک دن مرنا ہے اور خدا کے حضور جوابدہی کے لئے پیش ہونا ہے۔

اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ یہ حل تو ممکن نہیں کہ ہم نظام تعلیم کو تبدیل کر سکیں۔ اس ملک میں انقلاب اسلامی کے بڑے بڑے دعویدار پیدا ہوئے۔ لیکن نظام تعلیم میں تبدیلی تو کیا آتی' الحاد اور بے دینی زیادہ ہو کر سامنے آئی ہے اور ہم ہیں کہ اس کے آگے بند باندھنے پر قادر نہیں ہیں۔ بچوں کی تعلیم کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کو روک دینے سے بڑی حماقت نہ ہوگی۔ اس لئے میرے نزدیک جو کچھ کرنا عملاً ممکن ہے وہ گھریلو ماحول کی اصلاح ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ گھریلو ماحول کے اندر دین کی رمق پیدا کی جائے۔ گھر والوں کو نماز کی تاکید کی جائے۔ بچوں میں نماز کی عادت ڈالی جائے۔ اہل و عیال کو یاد دلایا جائے کہ انہیں ایک دن مرنا ہے اور آخرت ضرور آنے والی ہے۔ گھر کی اصلاح کے لئے ایک ہلچل سی پیدا کر دینی چاہئے اور اگر اس مقصد کے لئے لڑنے جھگڑنے کی نوبت آجائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ محض سرسری طور پر کہہ دینا کافی نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اولاد کی گمراہی کے بارے میں یہ معذرت کافی نہیں سمجھتا کہ ان کو کہہ دیا گیا تھا' آگے ان کی مرضی تھی کہ وہ عمل کرتے یا نہ کرتے۔ مجھے اپنی اولاد کے متعلق یہ جواب مطمئن نہیں کرتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اولاد لازماً نیک بنے اور جنت میں جائے۔ میرے نزدیک مسئلہ کا حل اس وقت یہی ہے کہ خود جاگئے اور گھر والوں کو جگائے رکھئے۔

میرے نزدیک آیت **قوا انفسکم واهلیکم نارا** (اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش دوزخ سے بچاؤ) اور حدیث **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته** (تم میں سے ہر شخص نگران بنایا گیا ہے اور وہ اپنے زیر نگرانی گلے کے بارے میں جواب دہ ہے) کا تقاضا بھی یہی ہے۔ گھر والوں کے اندر ہلچل پیدا کر کے اگر دینی بیداری پیدا کی جائے تو مرنے کے بعد انشاء اللہ وہی صورت ہوگی جس کی خبر قرآن نے دی ہے کہ جنت میں اہل جنت بعض ساتھیوں سے یہ سوال کریں گے کہ یہ کارنامہ آپ نے کیسے سرانجام دیا کہ آپ جنت میں نہ صرف خود براجمان ہیں بلکہ تمام اہل و عیال بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اس کے جواب میں وہ بتائیں گے کہ ہم دنیا میں آل و اولاد کے معاملہ میں نہایت چوکنے رہے۔ ہم نے ان کے ذہنوں میں دین کا تصور بٹھایا اور آخرت کی ذمہ داریوں سے ان کو غافل نہیں ہونے دیا۔ آج ہمیں جو کچھ حاصل ہے یہ اسی بیداری اور تلقین کا فیض ہے۔

میرے نزدیک یہ کام آج ہر مسلمان کے کرنے کا ہے ورنہ بچے پیدا کر کے' ان کو پال پوس کر اور تعلیم دلا کر ان کو دوزخ کے حوالے کرنے کا فائدہ؟

(ترتیب خالد مسعود)

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورۃ انفال (۲)

ان کفر کرنے والوں سے کہہ دو کہ اگر یہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ پھر یہی کریں گے تو اگلوں کے باب میں سنت الٰہی گزر چکی ہے ○ اور ان سے جنگ کرو تا آنکہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو اللہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کو دیکھ رہا ہے ○ (۱۸) اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا مولیٰ و مرجع ہے۔ کیا ہی خوب مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ○ (۴۰)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے (۱۹)' اگر تم

۱۸۔ ان آیات میں قریش کو دعوت استغفار ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے لئے وہ رسول کی دعوت پر لبیک کہیں اور اپنی روش سے باز آجائیں۔ بصورت دیگر مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے تا آنکہ سرزمین حرم سے اسلام لانے والوں کو ستانے کے فتنہ کا استیصال ہو جائے اور اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہے۔ اسی حکم کو نبیؐ نے اپنے اس ارشاد سے موکد فرمایا کہ اس سرزمین پر دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ یہی چیز مقتضی ہوئی کہ حرمین شریفین کے علاقہ سے غیر مسلم عناصر بے دخل کر دیئے جائیں۔

۱۹۔ آیت امیں مال غنیمت سے متعلق جو سوال نقل ہوا تھا یہ اس کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری فیصلہ کے دن (۴۰) جس دن دونوں جماعتوں میں مڈ بھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ (۴۱)

خیال کرو جب تم وادی کے قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے تھا اور اگر تم باہم میعاد ٹھہرا کر نکلتے تو میعاد پر پہنچنے میں ضرور تم مختلف ہو جاتے لیکن اللہ نے فرق نہ ہونے دیا تاکہ اللہ اس امر کا فیصلہ فرما دے جس کا ہونا طے ہو چکا تھا۔ (۲۱) تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حجت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔ بے شک اللہ سمیع و علیم ہے ○ یاد کرو جب اللہ تیری رویا میں ان کو کم دکھاتا ہے اور اگر زیادہ دکھا دیتا تو تم پست ہمت ہو جاتے اور معاملے میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے بچالیا۔ بے شک وہ دلوں کے حال سے باخبر ہے ○ اور خیال کرو جب کہ تمہاری مڈ بھیڑ کے وقت ان کو تمہاری نظروں میں کم دکھاتا ہے اور تم کو ان کی نظروں میں کم دکھاتا ہے (۲۲) تاکہ اس امر کا فیصلہ فرما دے جس کا ہونا طے شدہ تھا اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ○ (۴۴)

زمانہ جاہلیت میں سرداران قبائل ایسے مال میں سے اپنے ذاتی مصرف کے لئے ایک چوتھائی حصہ وصول کرتے تھے۔ یہاں اللہ اور رسول کے لئے پانچواں حصہ مقرر کیا گیا اور اس کو معاشرہ کی اجتماعی بہبود کے کاموں کی طرف لوٹا دیا۔ اس میں رسول اللہؐ کا حق اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔

۲۰۔ مراد نصرت الٰہی ہے جو جنگ بدر میں گوناگوں شکلوں میں ظاہر ہوئی۔

۲۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ کس طرح اس نے تمہیں ٹھیک وقت پر قریش کے مقابلہ کے لئے وادی بدر میں پہنچا دیا۔ کہاں تم، کہاں قریش اور کہاں تجارتی قافلہ لیکن اللہ نے دشمن کے تمام ارادے تاڑ لئے اور اس کو ہلاک کرنے کی وہ اسکیم پوری کر کے دکھا دی جو اس نے طے کر لی تھی۔

۲۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی کی دوسری مثال بیان ہوئی ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رویا میں کفار کی تعداد کم دکھائی اور جنگ شروع ہونے پر کفار کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی تاکہ دونوں میں سے کوئی گروہ بھی ٹکر لینے میں خوف نہ کھائے اور وہ معرکہ ہو کر رہے جس کا واقع ہونا اللہ تعالیٰ کی

اے وہ جو ایمان لائے ہو، جب تمہارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو ○ (۲۳) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو کہ تم پست ہمت ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے اور ثابت قدم رہو۔ بے شک اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے ○ اور ان لوگوں کی مانند نہ بننا جو اپنے گھروں سے اکڑتے اور لوگوں کے آگے اپنی نمائش کرتے نکلے اور جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (۲۴) حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے ○ اور یاد کرو جب کہ شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیئے اور کہا کہ آج لوگوں میں کوئی نہیں کہ تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ تو جب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا کہ میں تم سے بری ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو (۲۵) میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت پاداش والا ہے ○ یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہتے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ عزیز و حکیم ہے ○ (۴۹)

بیر میں طے تھا۔ معلوم ہوتا ہے نبیؐ پر کفار کے لشکر کی معنوی و اخلاقی حیثیت بے نقاب کی گئی اور کفار مسلمانوں کی عددی حیثیت کا مشاہدہ کرایا گیا اور یہ بات خدا کے اختیار میں ہے۔

۲۳۔ یہاں سے آگے کچھ ہدایات دی ہیں جو جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بھی ناگزیر ہیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنے والوں کو دوسرے جنگ آزماؤں سے ممتاز بھی کرتی ہیں۔ ان میں نظر مسلمانوں کا وہ گروہ ہے جو ابھی اچھی طرح پختہ نہیں ہوا تھا۔

۲۴۔ یہ اشارہ قریش کی طرف ہے جو جنگ بدر کے لئے اپنی کثرت تعداد اور اسباب و وسائل کی ت کے گھمنڈ میں بڑے طنطنہ سے نکلے تھے۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ تمہاری جنگ بھی خدا کی عبادت ہے اس لئے بندگی کی تواضع اور عبدیت کی فروتنی ہر جگہ تم پر نمایاں رہے۔

۲۵۔ شیطان کے متعلق معلوم ہے کہ یہ جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ یہاں اشارہ یہود کی طرف ہے جو آنحضرتؐ کی دعوت سے خائف تھے۔ قریش کے جنگ کے لئے نکلنے میں ان مشورہ بھی شامل تھا اور مدد کا وعدہ بھی۔ لیکن اپنی روایتی بزدلی کے سبب سے انہوں نے سامنے آنے کی جرات نہیں کی۔

اور اگر تم دیکھ پاتے جب فرشتے ان کفر کرنے والوں کی روحیں قبض کرتے ہیں مارتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر اور یہ کہتے ہوئے کہ اب چکھو مزا جلنے کے عذاب کا ○ (۲۶) یہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی کرتوت ہے اور اللہ بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ○ (۵۱)

ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو قوم فرعون اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا جو ان سے پہلے گزرے۔ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا۔ بے شک اللہ قوی' سخت پاداش والا ہے ○ یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ اس انعام کو جو وہ کسی قوم پر کرتا ہے اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اس چیز کو نہ بدل ڈالے جس کا تعلق خود اس سے ہے اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ ان کے ساتھ وہی معاملہ ہے جو آل فرعون اور ان لوگوں کو پیش آیا جو ان سے پہلے گزرے (۲۷)۔ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب کردی تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کردیا اور آل فرعون کو غرق کردیا اور یہ سارے کے سارے ظالم تھے ○ (۵۴)

بے شک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لاتے ○ جن سے تم نے عہد لیا پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں (۲۸) اور وہ ڈرتے

۲۶۔ مطلب یہ ہے کہ قریش کو بدر میں جو مار پڑی یہ کیا ہے۔ اصل مار تو وہ ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں ان کی موت کے وقت کفار پر پڑتی ہے۔ پھر اس کے بعد عذاب دوزخ کا مرحلہ ہے جس کا آج کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۲۷۔ ان آیات میں آل فرعون کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے۔ یہ تکرار نہیں بلکہ دو باتیں بتائی گئی ہیں۔ پہلے یہ بتایا کہ جنگ بدر اسی نوع کی ایک تنبیہہ تھی جس نوع کی تنبیہہ فرعون اور دوسری قوموں کو کی گئیں۔ پھر یہ بتایا ہے کہ اگر اس تنبیہہ سے قریش نے فائدہ نہ اٹھایا تو بالآخر ان پر بھی اسی طرح کا فیصلہ کن عذاب آجائے گا جس طرح فرعون اور دوسری قوموں پر آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر کے بعد بھی قریش کے لئے اس بات کا موقع باقی رہا کہ وہ اپنے آپ کو بدل کر اور اصلاح کر کے اللہ کی نعمت کے استحقاق کو بحال کر سکتے تھے۔

۲۸۔ یہاں مراد یہود اور بعض دوسرے قبائل (جہینہ' بنی ضمرہ' بنی مدلج وغیرہ) ہیں جن سے نبی صلی

نہیں ○ پس اگر تم انہیں جنگ میں پاجاؤ تو انہیں ایسی مار مارو کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی تتر بتر کردو تاکہ ان کے ہوش ٹھکانے ہوں ○ اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا خطرہ ہو تو تم بھی اسی طرح ان کا عہد ان پر پھینک مارو (۲۹) اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا ○ (۵۸)

اور یہ کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ نکل بھاگیں گے۔ وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکیں گے ○ اور ان کے لئے جس حد تک کرسکو فوج اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے اور تمہارے ان دشمنوں پر تمہاری ہیبت رہے (۳۰) اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے ہو' اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے وہ تمہیں پورا کردیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○ (۶۰)

اور اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ○ اور اگر وہ تم کو دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے ○ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعے سے تمہاری امداد کی (۳۱) اور ان کے دلوں کو باہم جوڑا اور اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تو بھی

اللہ علیہ وسلم نے ناطرفداری کے معاہدے کر لئے تھے لیکن وہ برابر معاہدوں کی خفیہ یا علانیہ خلاف ورزیاں کرتے رہے۔

۲۹۔ مطلب یہ کہ سامنے آنے والوں کو ایسی مار مارو کہ اس کے بعد ان لوگوں کی طاقت کا بھی خاتمہ ہو جائے جو درپردہ سازشیں کر رہے تھے۔ معاہدہ کی ذمہ داری تم پر یک طرفہ نہیں ہے۔ یہ اسی صورت میں ہے جب دوسرا فریق بھی اس کا احترام کرے۔

۳۰۔ بدر میں شکست کھانے کے بعد قریش مسلمانوں کے خلاف نئے منصوبے بنانے میں پوری طرح سرگرم ہوگئے۔ ان حالات سے نمٹنے کے لئے مسلمانوں کو بھی پوری سرگرمی سے جہاد کی تیاری کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان کو نرم چارہ سمجھ کر حملہ کرنے کی جرات نہ کریں۔

۳۱۔ یعنی اگر یہ معاندین کوئی مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا رجحان ظاہر کریں تو تم بھی مصالحت سے گریز نہ کرنا۔ اگر اس مصالحت کے پردے میں انہوں نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو اللہ کی نصرت

ان کے دلوں کو باہم نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کو جوڑ دیا۔ بے شک وہ غالب اور حکیم ہے ○ (۶۳)

اے نبی! تمہارے لئے اللہ اور یہی مومنین جنہوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے کافی ہیں ○ اے نبی! مومنین کو جہاد پر ابھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمہارے سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر بھاری ہوں گے۔(۳۲) یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بصیرت سے محروم ہیں ○ (۶۵)

اب اللہ نے تمہاری ذمہ داری ہلکی کردی اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ سو تمہارے سو ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری ہوں گے(۳۳) اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے ○ (۶۶)

کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قیدی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لئے ملک میں خونریزی برپا کردے۔ یہ تم ہو جو دنیا کے سرو سامان کے طالب ہو۔ اللہ تو آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے ○ (۳۴) اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی اس کے باعث تم پر ایک عذاب عظیم آدھمکتا ○ (۶۸)

تمہارے شامل حال ہوگی۔

۳۲۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تم مسلمانوں کی تعداد کی کمی سے مطلق ہراساں نہ ہو۔ تمہارے لئے اللہ اور انہیں تھوڑے سے مسلمانوں کی رفاقت کافی ہے۔ یہی قطرے سیلاب بنیں گے۔ اصلی طاقت دلوں کی طاقت ہوتی ہے۔ ان کے دس ثابت قدم آدمی کفار کے سو آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔

۳۳۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعد میں مسلمانوں کی کثرت کے دور میں نازل ہوئی۔ اس نے مسلمانوں پر سے وہ ذمہ داری ہلکی کردی جو اوپر والی آیت میں ان پر عائد ہوئی تھی۔ دوسرے اس حکم میں اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کی معرفت و بصیرت کی کمزوری کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ اس اعتبار سے وہ سابقون الاولون کے ہم پایہ نہ تھے۔

۳۴۔ بدر میں شکست کے بعد قریش نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ ملک میں خونریزی کرانا، اپنے ہی

پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ برتو اور اللہ سے ڈرتے رہو(۳۵) بے شک اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے ○ (۶۹)

اے نبی تمہارے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو وہ عطا فرمائے گا اور تم کو بخش دے گا(۳۶) اور اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے ○ اور اگر یہ تم سے بدعہدی کریں گے تو اس سے پہلے انہوں نے خدا سے بدعہدی کی تو خدا نے تم کو ان پر قابو دے دیا اور اللہ علیم و حکیم ہے ○ (۷۱)

وہ لوگ(۳۷) جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان بھائی بندوں کو قیدی بنانا اور ان سے فدیہ لینا کسی پیغمبر کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ کام تو اقتدار و سلطنت کے طالبوں اور دنیا داروں کے ہیں۔ یہاں اس پروپیگنڈا کا جواب دیا ہے کہ بدر میں جو کچھ پیش آیا اس کی ذمہ داری نبی پر نہیں بلکہ خود تم پر ہے۔ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے۔ جو شرارت تم نے کی تھی اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ عذاب عظیم تمہیں آپکڑتا لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمہیں کچھ مہلت مل گئی۔

۳۵۔ یہ بھی قریش کے پروپیگنڈے کے جواب میں مسلمانوں کو اطمینان دلایا ہے کہ مال غنیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ تمہارے لئے حلال و طیب ہے۔

۳۶۔ یہاں جنگ بدر کے قیدیوں کے لئے سارے معاملہ پر جذبات کی بجائے عقل و انصاف کی روشنی میں غور کرنے کا پیغام بھی ہے اور اگر وہ اپنی سابقہ روش پر مصر رہیں تو اس بدعہدی کی سزا کی دھمکی بھی ہے۔ آیات کے مضمون سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے قیدیوں کو فدیہ لے کر جو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ کو پسند اور اس کے نتیجہ میں ان کے قبول اسلام اور مغفرت کی راہیں کھلنے کا امکان ظاہر فرمایا۔

۳۷۔ اسلام سے پہلے باہمی حمایت و نصرت کی بنیاد خاندانی و قبائلی عصبیت پر تھی۔ اسلام نے مہاجرین اور انصار کے درمیان، ایمان اور اسلام اور ہجرت و جہاد کی بنیاد پر رشتہ ولایت قائم کیا۔ آگے کی آیات میں اسلامی معاشرہ کو ان مخصوص اساسات پر منظم کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ملت کفر کے مقابلہ میں مسلمان ایک بنیان مرصوص کی طرح کھڑے ہو سکیں۔

و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ باہم دگر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی رشتہ ولایت نہیں تا آنکہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم پر مدد واجب ہے الا آنکہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابلے میں ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو(۳۸) اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھ رہا ہے○ اور جنھوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں تو اگر تم یہ نہ کروگے تو ملک میں ظلم اور بڑا فساد ہو گا○ اور جو لوگ ایمان لائے' ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی' یہی لوگ پکے مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور باعزت روزی ہے○ اور جو ایمان لائیں اس کے بعد اور ہجرت کریں اور تمہارے ساتھ جہاد میں شریک(۳۹) ہوں یہ بھی تمہی سے ہیں اور رحمی رشتے والے اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں(۴۰) بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔○(۷۵)

۳۸۔ یعنی ہجرت نہ کرنے والوں کی حمایت و نصرت کی ذمہ داری تو نہیں لیکن خاص دین کے باب میں ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابل میں نہ ہوگی جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ اس صورت میں معاہدہ کا احترام مقدم ہو گا۔

۳۹۔ معلوم ہوا کہ ہجرت کا اہم مقصد مسلمانوں کی قوت کو جہاد کے لئے مجتمع کرنا تھا۔ نیز ہجرت ایمان و نفاق کے جانچنے کی کسوٹی بھی ہے۔

۴۰۔ مطلب یہ ہے کہ اخوت و نصرت کا یہ تعلق ان قوانین اور حقوق کو متاثر نہیں کرے گا جو رحمی رشتوں اور قرابت داری کی بنا پر قائم ہوتے ہیں اور شریعت نے جن کی تعلیم دی ہے۔

امین احسن اصلاحی

ایمان و اسلام کے تقاضے

(صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی روایات)

باب ۴۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ

باب اس بارے میں کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

یہاں سے آگے امام بخاریؒ نے بڑی فیاضی کے ساتھ ہر ایک حدیث پر الگ باب باندھ دیا ہے۔ حالانکہ ایک ہی جامع باب کے تحت یہ سب روایتیں آسکتی ہیں۔ **۹ حدثنا آدم بن ابی ایاس قال حدثنا شعبۃ عن عبد اللہ بن ابی السفر و اسماعیل عن الشعبی عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ**

ترجمہ۔۔۔۔۔۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ اور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں حقیقی مسلمان اور دوسرے حصہ میں حقیقی مہاجر کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلے حصہ کی رو سے صحیح مسلمان وہ ہے جو کسی پر تہمت نہ لگائے' کسی پر جھوٹ نہ باندھے' کسی کی غیبت نہ کرے یعنی زبان سے جو جرائم کئے جاتے ہیں ان میں ملوث نہ ہو۔ کسی پر اس طرح کا کوئی حملہ نہ کرے جو زبان درازی کی نوعیت کا ہو۔ زبان میں قلم بھی شامل ہے کیونکہ قلم زبان کا بڑا خطرناک ترجمان ہے۔ اخبار نویسوں کے کالموں کے اثرات قلم کی خطرناکی کی شہادت دیتے ہیں۔ زبان کے علاوہ ایک صحیح مسلمان کے ہاتھ کی شرارت سے بھی دوسرے مسلمان

محفوظ ہوتے ہیں۔ ہاتھ کی شرارت میں چوری' ڈکیتی' رہزنی اور اس قبیل کی ساری چیزیں شامل ہیں۔ گویا دوسرے مسلمان جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں تو وہ مسلمان نہیں اگرچہ وہ شخص اپنا شمار مسلمانوں میں کرتا ہو۔

روایت کے الفاظ کے لحاظ سے زبان درازی اور دست درازی سے حفاظت مسلمانوں کے لئے ہے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مسلموں پر تعدی کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دوسری روایت میں المرء یا الانسان کا لفظ آیا ہے جو مفہوم کو سب انسانوں پر حاوی کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہودیوں کا خاصہ یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے اوپر جتنی اخلاقی اور شرعی پابندیاں ہیں وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے ہیں۔ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر ہم مسلمان بھی یہی تصور اختیار کر لیں گے تو یہ یہودیوں کا کردار ہو گا۔

میرے نزدیک سلم کے ساتھ مسلمون کا لفظ بلاغت کے قاعدے تجنیس کے اصول پر آیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ ایک ہی مادے سے نکلے ہیں اگرچہ معنی میں مختلف ہیں۔ ان کو ساتھ ساتھ لا کر کلام میں حسن پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقی مسلمان کی مذکورہ صفات مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ دوسرے حصے میں حقیقی مہاجر کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ایسا شخص جو ان سب چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایک شہر کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے تو اس سے مہاجر نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہجرت یہ ہے کہ ایک ماحول کو شریعت کے خلاف پا کر اور اس کے اندر اصلاح کے لئے جو کچھ کر سکتے ہوں اس میں ناکام ہو کر اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لئے آپ دوسری جگہ چلے جائیں اور یہ گوارا نہ کریں کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے گھر بار اور ملک سے وابستہ رہیں۔ اگر مقصد یہ ہے تو یہ ہجرت ہے ورنہ ہر گھر چھوڑنے والا شخص مہاجر نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے اس حدیث کا مفہوم یہ لیا ہے کہ ہجرت کا مطلب گناہ کو چھوڑ دینا ہے' میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں۔ یہ باطنیہ کا مذہب ہے۔

باب ۵ ای الاسلام افضل

کس قسم کا اسلام افضل ہے؟

عربیت کے لحاظ سے "ای" کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے "ایکم" لیکن یہاں اسلام واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی کوئی ایک ہی قسم نہیں۔ اس زمانے میں تو اور زیادہ قسمیں ہو گئی ہیں۔ اس لئے واحد لفظ کی طرف "ای" کو مضاف کرنا ٹھیک ہے۔

۱۰۔ حدثنا سعید بن یحیی بن سعید الاموی القرشی قال ثنا ابی قال ثنا ابو بردہ بن عبداللہ بن ابی بردۃ عن ابی موسی قال قالوا یا رسول اللہ ای الاسلام افضل قال من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔

ترجمہ ۔۔۔ ابو بردہ ابو موسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کونسا اسلام افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس مسلمان کا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔

یہ وہی روایت ہے جو پیچھے باب ۴ میں گزر چکی ہے۔ یہ یاد رہے کہ امام بخاریؒ کی جدوجہد یہ ہے کہ مرجئہ اور کرامیہ کا عقیدہ باطل ثابت کر کے اپنا عقیدہ درست ثابت کریں۔ اور وہ یہ ہے کہ کمال اسلام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اعمال نیک ہوں۔ معتزلہ یہ نہیں مانتے۔ وہ نیک اعمال کو ایمان کی شرط مانتے ہیں۔ میرے نزدیک ایمان اور اسلام دونوں توام اور لازم و ملزوم ہیں۔

باب ۶ اطعام الطعام من الاسلام۔

کھانا کھلانا اسلام میں سے ہے:

۱۱۔ حدثنا عمرو بن خالد قال ثنا اللیث عن یزید عن ابی الخیر عن عبداللہ بن عمرو ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف۔

ترجمہ ۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضورؐ کونسا اسلام بہتر ہے تو آپؐ نے جواب دیا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو ہر شخص کو جس کو تم پہچانتے ہو اور جس کو نہیں پہچانتے ہو۔

اس حدیث میں سوال وہی ہے جو پچھلی حدیث میں تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں ایک بات کہی اور دوسرے کے جواب میں دوسری۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جواب میں کہی گئی سب چیزیں اسلام کا حصہ ہیں۔

سوال میں لفظ اسلام آیا ہے' ایمان نہیں۔ اور یہ بات قرین قیاس ہے کیونکہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔ ایمان میں عقائدی پہلو ملحوظ ہوتا ہے اور اسلام میں عملی پہلو۔ یہ دونوں توام ہیں۔ اس لئے دونوں کا ہونا لازم ہے۔ یہ ضروری ہے کہ عقیدہ بھی ہو اور عمل بھی اس کی شہادت دے۔

آنحضرت نے فرمایا کہ بہتر مسلمان وہ ہے جو غریبوں کو کھانا کھلائے۔ یہاں زکوٰۃ کا ذکر نہیں بلکہ کھانا کھلانے کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ تو سرکاری ضابطے کی چیز ہے۔ حکومت اس کو وصول کرے گی۔ لیکن غریبوں کو کھانا کھلانا انفاق کی ایک عام شکل ہے۔ ہر اچھے مسلمان میں یہ فیاضی ہونی چاہئے۔

دوسری چیز یہ بتائی کہ سلام کرے اس کو بھی جس کو جانتا ہے اور اس کو بھی جس کو نہیں جانتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی ہر راہ چلتے کو یا بازار میں ہر ایک کو سلام کرتا ہوا چلے بلکہ یہ ہے کہ آپ

جن کے ہاں جائیں ان کو سلام بلا امتیاز کرنا ضروری ہے۔ کسی مجلس میں جائیں، مسجد میں جائیں، کسی پلیٹ فارم پر جائیں، کسی ہوٹل میں جائیں وہاں موجود افراد کو سلام کرنا آداب میں سے ہے۔ یہ بات سلام کے آداب کے خلاف ہے کہ آپ وہاں صرف شناسا آدمی کو سلام کریں اور دوسروں کو چھوڑ دیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ بلا امتیاز سب کو سلام کریں پھر واقف آدمی سے مصافحہ کرلیں۔ اس میں آپ مسلم اور غیر مسلم کی بھی تمیز نہیں کرسکتے۔ حدیث میں اسی بات پر زور ہے کہ تمام لوگوں کو سلام کرو۔ صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی مجلس میں جاتے تو وہاں ان کا سلام عام ہوتا تھا۔ پھر خاص لوگوں کے ساتھ خاص بھی۔ میرے نزدیک الفاظ سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ موقع اور محل کے لحاظ سے عام سلام بھی کرو اور خاص بھی۔

باب ۷

من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

ایمان کے تقاضوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند کرے جو وہ اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔

۱۲۔ **حدثنا مسدد قال حدثنا یحیی عن شعبہ عن قتادۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن حسین المعلم قال ثنا قتادۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ** ترجمہ ـــــ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ نہ پسند کرے جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔

چونکہ بات ایمان کے حوالہ سے ہے اس لئے ناجائز کام از خود اس سے باہر ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں لے سکتا کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے شراب پسند کرتا ہے تو دوسرے کے لئے بھی یہی پسند کرے۔ یہ ہدایت ناجائز چیزوں میں نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی جائز چیزوں میں اپنے لئے وہی پسند کرے جو اللہ اور رسول کی پسند ہے۔ اس کے بعد دوسروں کے لئے بھی ایسا ہی خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہئے۔ وہ اپنے لئے فلاح چاہتا ہے تو دوسرے کے لئے بھی اس کو پسند کرے۔ اپنے لئے مال و عزت چاہتا ہے تو دوسروں کے لئے بھی وہی چاہے۔ اس میں خواہ مخواہ تنگ دل نہیں ہونا چاہئے۔ یہ کردار نہ ہو کہ اپنے لئے تو سب کچھ ہے اور دوسروں کے لئے کچھ نہیں۔ اپنے لئے تو یہ پسند ہو کہ ہر شخص آپ کے ساتھ سچ بولے لیکن آپ دوسروں سے جھوٹ بولیں۔ خود تو یہ چاہیں کہ ہر شخص آپ کا حق ادا کردے لیکن آپ دوسروں

کا حق ادا کرنے میں بخیل ہوں۔ یہ کردار بہت بڑی اخلاقی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے۔

باب ۸

حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ایمان کا جزو ہے۔

۱۳۔ **حدثنا ابو الیمان قال ثنا شعیب قال ثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ** ترجمہ ــــــ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

۱۴۔ **حدثنا یعقوب عن ابراہیم قال ثنا ابن علیہ عن عبدالعزیز بن صہیب عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحدثنا آدم بن ابی ایاس قال ثنا شعبہ عن قتادۃ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین**

ترجمہ ــــــ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے باپ، اولاد اور تمام مخلوق سے زیادہ اس کو محبوب نہ بن جاؤں۔

ان روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا تقاضا یہ بتایا ہے کہ آدمی کے اندر آپ کے لئے محبت ماں باپ، اولاد اور تمام مخلوق کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ اس سے مراد وہ جذباتی محبت نہیں جو آدمی کو اپنی بیوی یا اولاد سے ہوتی ہے۔ جذبات اللہ تعالی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں مداخلت نہیں ہو سکتی۔ یہاں مراد عقلی اور اختیاری محبت ہے۔ یہ سب سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اس محبت کا معیار قرآن و حدیث دونوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے سامنے کوئی ایسا موڑ آجائے جہاں اس کو یہ فیصلہ کرنا ہو کہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ کام کروں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس کے خلاف ہے۔ اگر آدمی اس موڑ پر اس چیز کو اختیار کرلے جو نبیؐ کا حکمؐ ہے اور بیوی بچوں یا ماں باپ کی خواہش کو نظر انداز کردے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام خلق سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ یہ ایمان کا بدیہی اور عقلی تقاضا ہے۔ ماں باپ اور اولاد کے علاوہ اس میں دوسری سب چیزیں شامل ہو جائیں گی۔ جیسے خاندان، برادری، قوم، وطن وغیرہ۔ حقیقی ایمان وہی ہے جو اس کسوٹی پر پورا اترے۔ باقی قانونی ایمان

ہے کہ جب تک آدمی لا الہ الا اللہ کا انکار نہ کر دے یا کسی ایسی چیز کا اعلان نہ کر دے جو اس کلمے کے منافی ہے تب تک اس پر لفظ مسلمان کا اطلاق ہو گا اور اس پر مسلمانوں کا قانون لاگو رہے گا۔ مردم شماری میں وہ مسلمان ہی شمار ہو گا اگرچہ حقیقی ایمان سے خالی ہو۔

جذباتی محبت عموماً اندھی بہری ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جذباتی محبت ضروری نہیں کہ حدود کے اندر ہی رہے۔ یہ غلط بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو آنحضرتؐ کے مرتبہ و مقام کے تقاضوں سے ناواقف ہے آپؐ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ گستاخی کی سزا اسلامی قانون کی رو سے ایک حد ہے۔ لیکن آپ اگر حفظ مراتب سے واقف نہیں ہیں تو اس سزا پر بھی معترض ہوں گے کیونکہ آپ کے نزدیک تو یہ گستاخی نہیں بلکہ عشق رسول کا تقاضا تھا۔

اس ضمن میں ایک بات جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے لئے محبت کا لفظ ہی مناسب ہے۔ عشق کا لفظ بازاری اور اس کا استعمال خندہ پن ہے۔ اللہ اور رسول کے ساتھ عشق کا کیا مطلب؟ اللہ اور رسول کی محبت تو ایک معلوم شے ہے اور اس کے لئے ایک کسوٹی بھی موجود ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

عشق کا لفظ نہ قرآن میں استعمال ہوا ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی کسی مہذب آدمی کو یہ لفظ استعمال کرنا چاہئے۔ اس عشق کے لئے کوئی پیمانہ بھی مقرر نہیں۔ اس وجہ سے خیریت اسی میں ہے کہ اللہ اور رسول کے لئے محبت ہی کا لفظ استعمال کیا جائے جو قرآن و حدیث دونوں میں استعمال ہوا ہے اور جو نہایت پاکیزہ لفظ ہے۔

باب ۹

حلاوۃ الایمان

ایمان کی حلاوت

۱۵۔ **حدثنا محمد بن المثنی قال ثنا عبد الوہاب الثقفی قال ثنا ایوب عن ابی قلابہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما و ان یحب المرء لا یحبہ الا للہ و ان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار**

ترجمہ ـــــ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں جس کے اندر ہیں اس کو ایمان کا مزہ حاصل ہوا۔ ایک یہ کہ اللہ اور رسول اس کو ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔ دوسری یہ کہ وہ کسی شخص سے محبت کرے محض اللہ کے لئے اور تیسری بات یہ کہ وہ کفر کی طرف لوٹنے کو ایسا ناگوار سمجھے جیسے وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناگوار سمجھتا ہو۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ایسی بتائی ہیں جو اگر کسی کو حاصل ہوں تو ایسا مسلمان اپنے ایمان کی چاشنی محسوس کرتا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز باقی سب سے بڑھ کر اللہ اور رسولؐ کے لئے محبت ہے۔ اس محبت کی وضاحت ہم اوپر کی روایت میں کر چکے ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ آپ کو کسی سے محبت ہو تو مجرد اس بنا پر ہو کہ اس شخص کو اللہ اور رسول کے ساتھ ایسا تعلق ہے جس کی بنا پر آپ نے اس سے محبت کی ہے۔ یعنی کوئی دنیاوی غرض نہیں، اس کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں، اس سے کچھ لینا دینا نہیں لیکن آپ اس کو محض اس لئے عزیز رکھتے ہیں کہ مثلاً وہ آپ کے لئے اللہ اور رسول کی طرف سے ایک روشنی مہیا کرتا ہے۔ آپ کو اس کے اندر کوئی خاص جوہر، صداقت، تقویٰ، علم، پرہیزگاری نظر آتی ہے۔ جس کے آپ قدردان ہیں۔ ایسے شخص کے ساتھ محبت آپ کو ایمان کا مزہ دے گی۔

آنحضرتؐ نے تیسری بات یہ فرمائی کہ جس شخص نے ایمان کا مزہ چکھا ہو تو وہ کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا برا سمجھے گا۔ جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ دوسرا آدمی کیا جانے کہ ایمان کیا ہے اور اس کی لذت کیا ہوتی ہے۔

باب ۱۰۔ علامۃ الایمان حب الانصار

ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے۔

۱۶۔ **حدثنا ابو الولید قال ثنا شعبۃ قال اخبرنی عبد اللہ بن عبد اللہ بن جبر قال سمعت انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایۃ الایمان حب الانصار و ایۃ النفاق بغض الانصار۔**

ترجمہ ـــــ حضرت عبداللہ بن جبر کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے سنا کہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔

اس حدیث میں انصار کی محبت بحیثیت ایک گروہ کے ایمان کی نشانی بتائی گئی ہے۔ میرے نزدیک انصار کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دینے کی ایک خاص وجہ تھی جس کے اوپر وہ وقت شاہد ہے جس وقت یہ بات فرمائی گئی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے اور روایات اس کی تائید کرتی ہیں کہ ایک زمانے میں انصار کے متعلق یہ پروپیگنڈا بڑی تیزی سے شروع کر دیا گیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو مدینہ بلا کر یہاں کے لوگوں پر مہاجرین کی مصیبت لاد دی ہے۔ ہم اچھے خوشحال تھے لیکن مہاجرین کے بوجھ نے ہمارے سارے عیش کو گدلا کر دیا ہے۔ قرآن میں اس صورت حال کی طرف اشارہ موجود ہے۔ سورہ منافقین میں منافقین کی یہ بات نقل ہوئی ہے کہ

انہوں نے ایک غزوہ کے دوران کہا کہ مدینہ پہنچ کر طاقتور گروہ کمزور مہاجرین کو شہر سے نکال باہر کرے گا۔ ان کا منصوبہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اور اس اقدام کی نوبت نہ آئی۔ معلوم ہوتا ہے اسی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب انصار کی محبت ایمان اور نفاق میں امتیاز کی علامت بن چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کی ہجرت کے بعد اس کو پناہ دینے اور اس کی مدد کرنے کے عمل کی نظیر اس آسمان کے نیچے کوئی اور نہیں۔ اس کے برعکس اس کی مخالفت یا اس کے ساتھیوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرنا صریح نفاق ہے۔ صرف منافقین ہی یہ حرکت کر سکتے تھے۔

اس حدیث میں انصار کے علاوہ دوسرے گروہوں سے محبت کی نفی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سب سے مقدس گروہ مہاجرین کا تھا جن کو انصار پر بھی شرف حاصل ہے۔ ان سے ہر مسلمان کو محبت ہونی چاہئے۔ اسی طرح باقی ہر گروہ جو کسی طریقے سے دین کی خدمت کرتا ہے اس کی محبت بھی ایمان کی علامت ہے۔ آپ اپنی پوری تاریخ میں جن لوگوں یا گروہوں کی خدمات کو دین کے لئے قابل قدر پائیں ان سے محبت کرنا ضروری ہے۔ انصار کے حق میں محبت کی تلقین کی وجوہ کو سمجھنے کے لئے اس موقع و محل کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ یہ موقع' محل معلوم نہ ہو تو گمان کیا جا سکتا ہے کہ انصار نے اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے یہ بات بنائی۔ حالانکہ ایسی بات نہیں۔

باب ؏

۱۷۔ حدثنا ابو الیمان قال حدثنا شعیب عن الزھری قال انا ابو ادریس عائذ بن عبد اللہ ان عبادۃ بن الصامت وکان شھد بدرا وھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحولہ عصابۃ من اصحابہ بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذالک شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ ومن اصاب من ذالک شیئا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفا عنہ وان شاء عاقبہ فبایعناہ علی ذالک۔

ترجمہ ---- ابن شہاب زہری سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو ادریس عائذ اللہ بن عبداللہ نے خبر دی کہ عبادہ بن صامت' جو بدر کے شرکاء میں سے ہیں اور بیعت عقبہ کی رات کے نقیبوں میں سے ہیں' کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے وقت جب آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی فرمایا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناؤ گے' چوری نہیں کرو گے' زنا نہیں کرو گے' اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے' اپنے میں کسی پر جنسی

قسم کی تہمت نہیں لگاؤ گے اور کسی معروف کے معاملے میں میری نافرمانی نہیں کرو گے تو جس نے یہ باتیں پوری کیں تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے۔ اور جس نے اس میں کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کو دنیا میں سزا دے دی تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور جس نے کسی چیز کا ارتکاب کیا پھر اللہ نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اگر چاہے گا تو درگزر فرمائے گا۔ اگر چاہے گا تو سزا دے گا۔ تو ہم نے اس پر آنحضرتؐ کی بیعت کر لی۔

اس روایت میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ پہلی پیچیدگی تو یہ ہے کہ باب ہے لیکن باب کے عنوان کا ذکر نہیں کیا گیا اور بعض نسخوں میں باب کا لفظ بھی اڑ گیا ہے۔ یعنی روایت تو موجود ہے لیکن کوئی چیز فاصل نہیں۔ تو کیا اس روایت کو پچھلے باب حب الانصار کے تحت ماننا پڑے گا؟ جب روایت پر غور کریں تو حب الانصار سے اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ دور کی کوڑی لائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انصار کی بیعت عقبہ کا ذکر ہے۔ لیکن یہ کوئی نکتہ تو نہیں ہوا۔

پھر اس میں اس پہلو سے بھی خلا ہے کہ حضرت عبادہ کا تعارف کراتے ہوئے بیعت عقبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حالانکہ روایت پہلی بیعت عقبہ کی نہیں ہے۔ پہلی بیعت کا روایات میں ذکر بڑے شاندار طریقہ سے آیا ہے۔

اس میں یہ ہے کہ انصار نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ آپ مدینے تشریف لے چلئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرنے کو تیار ہو کہ جن چیزوں سے اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو ان چیزوں سے میرے بھی دفاع کی ذمہ داری لو گے تو انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ جن چیزوں سے ہم اپنے بیوی بچوں کا دفاع کرتے ہیں ان چیزوں سے آپؐ کا بھی دفاع کریں گے۔ ہم پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ اگر حکم ہوا تو سمندر میں گھوڑے ڈال دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

اس روایت میں بیان کردہ بیعت معلوم نہیں کب ہوئی ہے۔ اس کے متعلق متعین طریقے پر کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔ اس کے الفاظ وہ ہیں جن سے عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی اور جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ میں ہے۔ اس میں یہ بات ہے کہ تم ایک دوسرے پر تہمت نہ لگاؤ گی ان چیزوں کے بارے میں جو تمہارے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان ہیں۔ یعنی کسی جنسی قسم کا سکینڈل نہیں بناؤ گی۔ بہرحال یہ بیعت تو عورتوں کے متعلق ہے۔ اس بیعت اور پہلی بیعت عقبہ میں کوئی مناسبت نہیں۔

یہ روایت ابن شہاب زہری کی ہے۔ یہ مسلمانوں کے امام حدیث تو ہیں لیکن تخلیط روایات میں' تعلیق روایات میں اور اپنے حاشیے لگانے میں یکتائے روزگار ہیں۔ تخلیط روایات تو اس طرح کرتے ہیں کہ دو تین روایات سے ٹکڑے لئے اور ان کو ایک بنا دیا۔ اس طرح روایت کا مطلب کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ نہایت اہم روایات میں انہوں نے بڑے بڑے تصرفات کر دیئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں بھی انہوں نے

حاشیہ آرائی کی ہے جس سے سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ بیعت کے سلسلے میں دنیا اور آخرت میں انجام بیان کرنے کی بظاہر کوئی تک نہیں۔ بیعت تو ایک عہد ہوتا ہے۔ لیکن روایت میں دنیا اور آخرت کا انجام بیان کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی آگئی ہیں جو سوالات پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے ان باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور دنیا میں اس کو سزا مل گئی تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ اب فرض کریں کہ ایک شخص نے چوری کی اور قاضی کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ اس مرتبہ چوک گیا اور پکڑا گیا۔ اب کے زیادہ ہوشیاری سے چوری کروں گا۔ یعنی اصلاح یا توبہ کی توفیق نہیں ہوئی تو کیا اس صورت میں بھی یہ سزا کفارہ بن جائے گی؟ قرآن مجید میں گناہوں کے لئے صاف طور پر یہ ضابطہ بیان ہوا ہے کہ جہاں تک صغائر کا تعلق ہے وہ نیک اعمال سے جھڑ جاتے ہیں۔ لیکن جو گناہ حقوق العباد سے متعلق ہیں اور سنگین ہیں ان کے متعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتے ہیں جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی غلطی کر بیٹھیں پھر فوراً توبہ کر لیں۔ لیکن اگر وہ اسی گناہ پر مر جائیں گے اور توبہ نہیں کریں گے تو خدا ان کو معاف نہیں کرے گا۔ پھر توبہ کے متعلق یہ شرط بھی لگائی ہے کہ آدمی استغفار کرے اور اصلاح کرے۔ اب جس چور کو اپنی ناکامی کا صدمہ ہو کہ میں چوری کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے لئے سزا کا کفارہ ہونا قرآن کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات فرمادیں جو قرآن کے خلاف ہو۔ کسی معقول آدمی کی یہ رائے نہیں ہو سکتی کہ جرم کی اگر آپ دنیا میں سزا دے دیں تو مجرم عنداللہ بھی معاف کر دیا جائے گا۔ بلاشبہ اس طرح قانونی تقاضہ پورا ہو جائے گا لیکن اللہ کا معاملہ تو انہی شرائط پر ہو گا جو قرآن مجید میں صاف صاف بیان ہوئی ہیں۔

رہا اس شخص کا معاملہ جس نے جرم کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اگر چاہے گا تو اس کو معاف فرمادے گا اگر چاہے گا تو سزا دے گا۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اختیار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے عدل و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

(ترتیب: سعید احمد)

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

اشیاء کے مبادلے کے احکام

(موطا کی کتاب البیوع کی روایات)

ماجاء فی الصرف

۱۰- حدثنی یحی عن مالک عن ابن شہاب عن مالک بن اوس بن الحدثان النصری انہ التمس صرفا بمائۃ دینار - قال فدعانی طلحۃ بن عبداللہ فتراوضنا حتی اصطرف منی واخذ الذھب یقلبھا فی یدہ ثم قال حتی یاتینی خازنی من الغابۃ و عمر بن الخطاب یسمع- فقال عمر واللہ لا تفارقہ حتی تاخذ منہ ثم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالورق ربا الا ھاء وھاء والبر بالبر ربا الا ھاء وھاء والتمر بالتمر ربا الا ھاء وھاء والشعیر والشعیر ربا الا ھاء وھاء

نقدی کے مبادلے کے بارے میں

ترجمہ --- مالک بن اوس بن حدثان نصری کہتے ہیں کہ ان کو ایک صد دینار کے مبادلے کی ضرورت پیش آئی۔ کہتے ہیں کہ مجھے طلحہ بن عبید اللہ نے بلایا تو ہم نے مبادلہ کا نرخ طے کر لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے صرف طلب کر لیا اور سونا ہاتھ میں لے کر الٹنے پلٹنے لگے۔ پھر کہا کہ میرا منشی رقبے سے آتا ہے تو میں دینار دیتا ہوں۔ حضرت عمر بن خطابؓ سن رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ خدا کی قسم آپ یہاں سے ہٹیں نہیں جب تک کہ ان سے رقم لے نہ لیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ سونا چاندی کے

بدلے میں سود ہے مگر یہ کہ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے۔ گندم کے بدلے گندم سود ہے مگر یہ کہ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے۔ کھجور کے بدلے کھجور سود ہے مگر یہ کہ اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے۔ جَو کے بدلے جَو سود ہے مگر یہ کہ اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے۔

وضاحت۔ مبادلے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو دست بدست یعنی نقد نقد اور دوسری صورت ایک مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کی ہے۔ مبادلے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب ایک شخص کو ایک جنس کے بدلے میں دوسری جنس کی ضرورت ہو۔ جیسے دینار کے بدلے درہم کی یا روپے کے بدلے ڈالر، پونڈ یا دوسری کرنسی کی۔ یا ایک قسم کی گندم دوسری قسم کی گندم کے بدلے۔ علیٰ ھذا القیاس دوسری اجناس یا چیزیں۔ ایسے مبادلے میں تفاضل جائز ہے۔ یعنی آپ ایک اعلیٰ قسم کی کھجور دے کر اس سے زیادہ مقدار میں عام قسم کی کھجور لے سکتے ہیں۔ لیکن صرف اس شرط کے ساتھ کہ مبادلہ دست بدست ہو۔ ادھار نہ ہو کیونکہ ادھار میں سود کا شائبہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ادھار میں تفاضل جائز نہیں۔ ادھار میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس چیز کے ساتھ مبادلہ کیا جا رہا ہے اس کی نوعیت کیا ہو گی۔ اس لئے دونوں چیزوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وجہ سے تاکید کی کہ معاملہ اسی وقت انجام پذیر ہو جائے تاکہ ربا کا شائبہ نہ رہے۔

عام مذہب تو یہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے لیکن احناف اس میں کچھ نرمی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاملہ مکمل نہ ہو گا جب تک کہ فریقین ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں۔ خواہ وہ معاملہ کرنے میں کتنا ہی زیادہ وقت لیں، ہو سکتا ہے معاملہ طے کرنے میں تاخیر ضرورت کا تقاضہ ہو۔ مجھے یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔

معاملہ کی دوسری صورت مقررہ مدت میں ادائیگی کی ہے۔ مثلاً معاملہ کی شرائط طے ہو جاتی ہیں اور ایک فریق کہتا ہے کہ میں کل رقم بنک سے نکلوا کر دے دوں گا۔ تو اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یا یہ صورت ہو کہ خزانچی موجود نہیں اور یہ طے ہو جائے کہ خزانچی کے آجانے پر ادائیگی کر دی جائے گی۔ تو اس میں کوئی شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ معاملہ کرنے کے وقت ہی یہ طے پایا ہے کہ ادائیگی کل یا پرسوں ہو گی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ احناف کے مسلک سے بھی اس کا جواز نکلتا ہے۔ نہ جانے زندگی کے کتنے معاملات اسی طرح طے ہوتے ہیں۔ اگر آپ پونڈ کے بدلے روپوں کا تبادلہ کرتے ہیں اور آج کے بھاؤ پر معاملہ طے ہو جاتا ہے لیکن ادائیگی کو دو تین روز کے لئے موخر کرنا بھی طے پا جاتا ہے تو جائز ہے۔ اگر مبادلے کا بھاؤ اس دوران تبدیل بھی ہو جائے لیکن ادائیگی طے شدہ بھاؤ پر ہی عمل میں آئے گی۔

اس حکم میں دست بدست کی قید احتیاط کے نقطہ نظر سے ہے۔ دست بدست اور نسیہ میں جو باریک سا فرق ہے اس کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو تاکید کی ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ یہ ایک صنف کو دوسری صنف سے بدلنے کا معاملہ تھا۔ اس کا دست بدست ہونا ہی بہتر تھا۔ شئی کے موجود نہ ہونے سے معاملہ نسیہ کی صورت میں طے پانے کا امکان تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ ہو سکتا ہے کہ مرور زمانہ سے لوگ اس قید کو نظر انداز کرتے کرتے ربا میں ملوث ہو جائیں یہ حکم سد الذریعہ کی حکمت کے تحت دیا۔

باب المراطلہ

۱۱۔ **حدثنی یحی عن مالک عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط اللیثی انہ رای سعید بن المسیب یراطل الذھب بالذھب فیفرغ ذھبہ فی کفۃ المیزان ویفرغ صاحبہ الذی یراطلہ ذھبہ فی کفۃ المیزان الاخری فاذا اعتدل لسان المیزان اخذ واعطی**

مسکوک اور غیر مسکوک کا تبادلہ

ترجمہ۔۔۔۔ یزید بن عبد اللہ بن قسیط اللیثی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن مسیب کو دیکھا کہ وہ سونے سے سونے کا تبادلہ کر رہے تھے تو وہ اپنا سونا ترازو کے ایک پلڑے میں رکھتے تھے اور ان کے ساتھی جو تبادلہ کر رہے تھے ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھتے۔ تو جب میزان برابر ہو جاتی تھی تو وہ لین دین کرتے تھے۔

وضاحت۔ یہاں ذھب سے مراد دینار ہے اور دوسرے سونے سے مراد سونے کے ٹکڑے ہیں۔ اس وقت سونے کی ایک ہی قسم ہوتی تھی۔ ہمارے ہاں کی طرح مختلف قیراط کی بہت سی قسمیں نہیں تھیں۔ یہی صورت چاندی کی بھی تھی۔ دینار کے ساتھ سونے کے ٹکڑے بھی سکے کے طور پر چلتے تھے۔ اسی لئے سعید بن مسیب ان کا ہم وزن مبادلہ کر رہے تھے۔ اب سکوں کا الگ نظام وجود میں آگیا ہے اور سونے کی بھی الگ الگ کوالٹی دستیاب ہے۔ اب اگر سونے کے سکے اور سونے کے ٹکڑے کا نرخ بازار میں الگ الگ ہو تو بازار کا نرخ ہی چلے گا۔ موجودہ حالات میں سونا ایک الگ جنس ہے اور سونے کا سکہ ایک دوسری جنس ہے اور اجناس مختلف ہونے کی صورت میں نبیؐ نے فرمایا ہے کہ بیعوا کیف

شیتم (جس طرح چاہو ان کی خرید و فروخت کرو) آگے اس بارے میں امام مالک کے فتویٰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے بیع کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ اگر دست بدست معاملہ میں ایک آدمی گیارہ دینار دس دینار کے بدلے میں لے لے تو یہ بیع درست ہے جبکہ وزن برابر اور جنس ایک ہو۔ اسی طرح درہموں کے مبادلہ میں بھی کوئی حرج نہیں۔

میرے نزدیک یہ فتویٰ درست ہے۔ موجودہ زمانہ کے لحاظ سے میں اس پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ سونا اگر مختلف قیراط کا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کس درجے کا سونا ہے۔ یکساں درجے والے سونے سے برابر پر معاملہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ پھر کمی بیشی کرنی پڑے گی۔ اور شریعت میں اس کی اجازت ہے۔

باب العینۃ وما یشبہہا

۱۲۔ حدثنی عن مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ

ادھار پر خرید اور نقد پر فروخت کے بارے میں

ترجمہ۔۔۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے غلہ خریدا تو وہ اس کو بیچ نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کو اپنے پورے قبضے میں نہ کر لے۔

۱۳۔ وحدثنی عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ۔

ترجمہ۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس نے غلہ خریدا وہ اس کو فروخت نہ کرے جب تک کہ اس کو اپنے قبضے میں نہ کر لے۔

۱۴۔ وحدثنی عن مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر انہ قال کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبتاع الطعام فیبعث علینا من یامرنا بانتقالہ من المکان الذی ابتعناہ فیہ الی مکان سواہ قبل ان نبیعہ۔

ترجمہ۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں غلہ خریدتے تو آپؐ کا بھیجا ہوا آدمی ہمارے پاس یہ حکم لاتا کہ غلے کو آگے فروخت کرنے سے پہلے اس جگہ سے جہاں ہم نے اسے خریدا کسی دوسری جگہ منتقل کر لیں (تاکہ قبضہ مکمل ہو جائے)

۱۵۔ وحدثنی عن مالک عن نافع ان حکیم بن حزام ابتاع طعاما امر بہ عمر بن الخطاب للناس فباع حکیم الطعام قبل ان یستوفیہ فبلغ ذالک عمر بن الخطاب فردہ علیہ وقال لا تبع طعاما ابتعتہ حتی تستوفیہ

ترجمہ۔۔۔ حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حکیم بن حزام نے غلہ خریدا جس کا حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کے لئے خریدنے کا حکم دیا تھا۔ پھر حکیم نے اس کو قبضہ حاصل کرنے سے پہلے بیچ دیا۔ جب یہ بات حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے بیع لوٹا دی اور فرمایا کہ جو غلہ آپ نے خریدا ہے اس کو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچو۔

۱۶۔ وحدثنی عن مالک انہ بلغہ ان صکوکا خرجت للناس فی زمان مروان بن الحکم من طعام الجار فتبایع الناس تلک الصکوک بینہم قبل ان یستوفوھا فدخل زید بن ثابت ورجل من اصحاب النبیؐ علی مروان بن الحکم فقالا اتحل بیع الربا یا مروان فقال اعوذ باللہ وما ذالک فقالا ھذہ الصکوک تبایعہا الناس ثم باعوھا قبل ان یستوفوھا فبعث مروان بن الحکم الحرس یتبعونہا ینزعونہا من ایدی الناس ویردونہا الی اھلہا۔

ترجمہ۔۔۔ امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ مروان بن حکم کے دور حکومت میں جار کے علاقے میں گندم کے پرمٹ لوگوں کو دیئے گئے تو لوگوں نے ان پرمٹوں کو آپس میں بیچنا شروع کر دیا۔ پیشتر اس کے کہ غلہ اپنے قبضہ میں لیں۔ تو زید بن ثابتؓ اور ایک صحابی مروان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے ربا کی بیع شروع کر دی ہے مروان صاحب! اس نے کہا کہ اللہ کی پناہ کیا بات ہوئی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ پرمٹ جو آپ نے دیئے ہیں یہ بک رہے ہیں لوگوں کے درمیان پیشتر اس کے کہ وہ اپنا غلہ وصول کریں۔ تو اس نے اپنے چوبداروں کو ان لوگوں کا تعاقب کرنے کو بھیجا تو انہوں نے لوگوں سے پرمٹ چھین کر کے اصل مالکوں کو دیئے کہ وہ اپنا غلہ وصول کریں۔

۱۷۔ وحدثنی عن مالک انہ بلغہ ان رجلا اراد ان یبتاع طعاما من رجل الی اجل

فذھب بہ الرجل الذی یرید ان یبیعہ الطعام الی السوق فجعل یریہ الصبر ویقول لہ من ایھا تحب ان ابتاع لک فقال المبتاع تبیعنی مالیس عندک فاتیا عبداللہ بن عمر فذکرا ذالک لہ فقال عبداللہ بن عمر للمبتاع لا تبتع منہ مالیس عندہ وقال للبائع لا تبع مالیس عندک۔

ترجمہ۔۔۔۔ امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے کچھ گندم دوسرے شخص سے کچھ مدت کے لئے ادھار خریدنے کا ارادہ کیا۔ تو وہ شخص خریدار کو بازار لے گیا اور اس سے کہا یہ ڈھیریاں ہیں جس میں سے چاہو میں خرید دیتا ہوں۔ تو خریدار نے کہا کہ آپ میرے پاس وہ چیز بیچ رہے ہیں جو آپ کے پاس نہیں۔ تو دونوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور ان سے اس معاملے کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے خریدار سے کہا کہ آپ اس سے وہ چیز نہ خریدیں جو اس کے پاس نہیں اور بیچنے والے سے کہا وہ چیز نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں۔

۱۸۔ **حدثنی عن مالک عن یحی بن سعید انہ سمع جمیل بن عبدالرحمن المؤذن یقول لسعید بن المسیب انی رجل ابتاع من الارزاق التی تعطی الناس بالجار ما شاء اللہ ثم ارید ان ابیع الطعام المضمون علی الی اجل فقال لہ سعید اترید ان توفیھم من تلک الارزاق التی ابتعت فقال نعم فنھاہ عن ذالک۔**

ترجمہ۔۔۔۔ سعید بن مسیب سے ایک شخص نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اس غلے میں سے جو جار کے علاقے کے غلوں میں سے لوگوں کو ملتے ہیں خرید لوں اور اس میں سے جو غلہ میرے ذمہ ضمانت کے طور پر ادھار ہے دے دوں۔ تو سعید بن مسیب نے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تم ان کو پورا کر دو اس غلہ سے جو تم نے خریدا ہے تو اس شخص نے کہا ہاں۔ اس پر سعید بن مسیب نے اس کو منع کر دیا۔

ان احادیث کی روایت کے بعد امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمارے نزدیک متفق علیہ ہے کہ جس کسی نے گندم، جو کی قسم کی کوئی چیز، باجرہ یا جوار، دالیں یا وہ چیزیں جن میں زکوۃ واجب ہے یا سالن کی قسموں سے کوئی چیز جیسے تیل، گھی، شہد، سرکہ، پنیر، تل، دودھ یا اسی طرح کی ساری چیزیں خریدیں تو وہ ان میں سے کسی کو بھی بیچ نہیں سکتا جب تک کہ وہ ان کو قبضہ میں نہ لے لے اور ان کو پوری طرح سے وصول نہ کرے۔

طعام سے عام طور پر غلہ مراد ہوتا ہے اور گندم کے لئے بھی اس لفظ کا استعمال عام ہے۔

وضاحت۔ روایات نمبر ۱۲ سے ۱۴ تک تو مرفوع احادیث ہیں۔ روایت نمبر ۱۵ حضرت عمر بن خطابؓ

کا حکم ہے جو مرفوع روایات سے مستنبط ہے۔ روایات نمبر ۱۶، ۱۷ اصحابہ کے آثار میں سے ہیں اور روایت نمبر ۱۸ حضرت سعید بن مسیب جو کہ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ہیں کا فتویٰ ہے۔ اس کے بعد اپنے فتویٰ میں امام مالکؒ نے "طعام" کے لفظ کی تشریح کی ہے کہ اس میں کھانے پینے کی تمام چیزیں شامل ہیں۔ میرے نزدیک ان کی یہ تشریح درست ہے۔

امام مالکؒ کا یہ فرمانا بھی ٹھیک ہے کہ وہ تمام کھانے پینے کی چیزیں جن پر زکوۃ واجب ہو اسی حکم میں ہیں۔ میرے نزدیک زکوۃ ان تمام خوردنی اشیاء پر واجب ہے جو تجارتی مقاصد کے لئے کاشت کی جاتی ہیں۔ صرف ان کی ایک مقررہ مقدار زکوۃ سے مستثنیٰ ہے۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان تمام روایات میں یہ حکم بیان ہوا ہے کہ جب کسی جنس کا سودا ہو جائے تو خریدار کو چاہئے کہ وہ اس کو قبضہ میں لے کر کسی دوسری جگہ منتقل کر لے۔ اگر وہ آگے اس کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو منتقلی کے بعد نئے مقام سے فروخت کرے۔

قبضے میں لے کر فروخت کرنے کی یہ پابندی صرف خوردنی اشیاء سے ہی متعلق ہے جو قابل انتقال ہیں۔ دوسری چیزیں مثلاً غیر منقولہ جائیداد یا جن کی نقل و حمل میں زحمت ہو اس حکم کے تحت نہیں آتیں۔ خوردنی اشیاء کے متعلق اس حکم کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ نزاع کا خطرہ نہ رہے۔ خریدار کی ملکیت تامہ جب تک نہ ہو اس بات کا اندیشہ باقی رہتا ہے کہ انتقال کے وقت جنس کا کوئی نقص واضح ہو جائے اور نزاع کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس لئے کامل قبضے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

حدیث میں خرید کردہ مال کو قبضہ میں لینے کا جو حکم ہے۔ مال کو دوسری جگہ منتقل کرنا اس کی کامل شکل ضرور ہے لیکن واحد یہی شکل نہیں۔ قبضہ کے معنی یہ ہیں کہ شے بالکل آپ کے تصرف میں آ جائے۔ آپ اس کے دام ادا کرنے کے بعد اس کی ملکیت اس طرح حاصل کر چکے ہوں کہ اب اگر دوسری جگہ اس کو فروخت کرنا چاہیں تو اس میں آپ کے اختیار پر کوئی قدغن نہ ہو۔ اس صورت میں نزاع کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ جہاں تک جگہ کا معاملہ ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ خریدار کے پاس غلہ رکھنے کے لئے جگہ ہی نہ ہو اور وہ اس بات پر مجبور ہو کہ وہ اسی جگہ سے اس کو فروخت کر دے جہاں سے اس نے غلہ خریدا۔ اس طرح کی صورت میں سودا کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

روایت نمبر ۱۶ میں قبضے سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کی ایک اور حکمت سامنے آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے جار کے کسی علاقے میں غذائی اجناس کی کمی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے لوگوں میں پرمٹ تقسیم کئے جن کو پیش کر کے وہ سرکاری گودام سے غلہ حاصل کر سکتے تھے۔ لوگوں نے ان پرمٹوں کی تجارت شروع کر دی اور غلہ وصول کر کے اس کو فروخت کرنے کی بجائے پرمٹ

فروخت ہونا شروع ہو گئے۔ اس طرح کے سودوں کے باعث مصنوعی طور پر اشیائے ضرورت کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بعض صحابہ نے حکومت کی توجہ پرمٹوں کے کاروبار کی طرف مبذول کرائی تو حکومت نے اس کو روکنے کے اقدامات کئے۔

روایت نمبر ۱۷ سے دلالی کی ممانعت مستنبط ہوتی ہے۔ چونکہ روایت زیر بحث میں دلال کو گندم کی فروخت سے روکا گیا اس لئے اس روایت کی رو سے غلے اور اس قسم کی غذائی ضروریات کی چیزوں پر دلالی کی ممانعت صاف ظاہر ہے۔ اس کی حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کہ اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اعتدال رہے۔ اشیائے خورد و نوش کے علاوہ دوسری اشیاء کی دلالی پر پابندی اس روایت سے مستنبط نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں آج مقامی یا بین الاقوامی تجارت میں جو دلالی رائج ہے وہ ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے۔ اس میں قیمتوں کا تعین بین الاقوامی منڈیوں کے بھاؤ کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں دلال کا رول نہ صرف اہم ہے بلکہ بہت سے نزاعات سے بچنے کا باعث بھی ہے۔ میرے نزدیک اس روایت کا ایسی دلالی پر اطلاق نہیں ہوتا۔

ان روایات کو پڑھ کر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ صدر اول کے لوگوں نے ان چیزوں پر اتنی سختی سے عمل کیوں کیا۔ میرے خیال میں اگر وہ لوگ ایسا نہ کرتے تو آج یہ تعلیمات ہوا ہو گئی ہوتیں۔ وہ اگر کسی چیز میں رتی برابر بھی ڈھیل دے دیتے تو آج یہ ڈھیل بڑھتے بڑھتے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔ تو انہوں نے اصل سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ حالات میں جو تغیر ہوا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس کوشش کے ساتھ کہ کوئی حرام حلال نہ ہونے پائے اور کوئی حلال حرام نہ ہونے پائے اس سختی کو کم کر سکتے ہیں۔

انہوں نے اپنے زمانے کے لحاظ سے کام کیا اور بالکل ٹھیک کیا۔ اب حالات کے تغیر اور صنعت و حرفت کی ترقی نے جدید مسائل کو جنم دیا ہے۔ ان کے معروضی مطالعہ کی روشنی میں شریعت کے احکام کی روشنی میں آراء قائم کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

مایکرہ من بیع الطعام الی اجل

غلے کو ادھار بیچنے کی کراہت کی ایک شکل

۱۹۔ حدثنی یحیی عن مالک عن ابی الزناد انہ سمع سعید بن المسیب و سلیمان بن یسار ینہیان ان یبیع

الرجل حنطۃ بذھب الی اجل ثم یشتری بالذھب تمرا قبل ان یقبض الذھب

ترجمہ ۔۔۔۔۔۔ ابی الزناد سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار دونوں اس بات سے منع کرتے تھے کہ کوئی شخص سونے کے عوض گندم ادھار بیچے اور پھر اس رقم سے کھجور خریدے پیشتر اس کے کہ اس نے سونے پر قبضہ کیا ہو۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ آپ نے کچھ دینار کی گندم فروخت کی اور ابھی قیمت وصول نہیں کی۔ قرض واجب الادا ہے۔ پھر جب ادائیگی کا مقررہ وقت آئے تو آپ یہ کہہ دیں کہ مجھے اس رقم کے عوض کھجور دے دی جائے۔

سعید بن المسیب اور سلیمان بن یسار دونوں حضرات فقہاء مدینہ میں سے ہیں۔ یہ دونوں معاملہ کی اس شکل سے منع کرتے تھے۔ ان کا انحصار اس روایت پر معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے کسی چیز کا سودا کرنا منع ہے۔ میرے نزدیک اس شکل میں کمزوری کا پہلو یہ ہے کہ چونکہ رقم ابھی تک قرض ہے تو جب تک آپ بعینہ وہ رقم وصول نہ کرلیں تہمت کا موقع باقی رہے گا۔ ہو سکتا ہے اس میں آپ تفاضل کی کوئی صورت پیدا کرلیں۔ لہذا اس صورت معاملہ کی ممانعت احتیاط کے پہلو سے اور موقع تہمت سے بچنے کے لئے ہے۔

تضمین

کسی لفظ کے ساتھ کسی حرف یا کسی عبارت کے ساتھ عبارت کا اضافہ کر کے ان کے ظاہر مفہوم میں کچھ دوسرے معانی شامل کرنے کو تضمین کہتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب ہے جس کی مثالیں معمولی غور و فکر کے بعد بکثرت تلاش کی جا سکتی ہیں۔ ہم اس اسلوب کو چند مثالوں کی روشنی میں واضح کریں گے۔ تضمین کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ فعل سے اس کے صلہ کی عدم مناسبت کی صورت

ب۔ سلسلہ کلام کے اندر بعض آیات کے اضافہ کی صورت

ا۔ فعل اور صلہ میں عدم مناسبت :

مادہ فعلیہ سے بننے والے بہت سے افعال کے بعد صلہ کا کوئی حرف استعمال نہیں ہوتا اور وہ اپنا مفہوم صحیح ادا کرتے ہیں۔ مثلاً آیت **یاایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم** (حج۔۷۷) میں مادہ ر ک ع، س ج د اور ع ب د سے بننے والے فعل امر کے بعد کوئی حرف بطور صلہ نہیں آیا اور وہ اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔

بعض افعال ایسے ہیں جن کے ساتھ صلہ استعمال ہوتا ہے اور فعل کے ساتھ اس کی مناسبت بھی ہوتی ہے۔ مثلاً **ختم اللہ علی قلوبھم** (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی) میں ختم کے بعد علی کا صلہ لفظ سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ مہر کسی شے پر لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح **اخذھم اللہ بذنوبھم** (اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑا) میں اخذ کے ساتھ ب کا صلہ مفہوم سے ٹھیک ٹھیک مطابقت رکھتا ہے کیونکہ خدا کی پکڑ کا سبب قوموں کے گناہ بنے۔ قرآن مجید میں کبھی فعل کے بعد کوئی ایسا حرف بطور صلہ آیا ہے جو اس فعل

کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا بلکہ اس کی مناسبت کسی دوسرے فعل کے ساتھ ہوتی ہے جو آیت میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اس صورت حال میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ دوسرا فعل جملہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور اس کی طرف رہنمائی کے لئے اس کا صلہ باقی رہنے دیا گیا ہے۔ اس لئے جملہ میں موجود فعل کے اندر محذوف فعل کا مفہوم بھی شامل مانا جاتا ہے اور محذوف فعل کی نشاندہی کے لئے جملہ کے سیاق و سباق پر غور کیا جاتا ہے۔ یہ تضمین کی پہلی شکل ہے جس کی چند نمایاں مثالیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فتلقی ادم من ربہ کلمت فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم (بقرہ ۳۷)

یہاں فعل تاب استعمال ہوا ہے جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ اس کا معروف صلہ الی آتا ہے کیونکہ رجوع کسی چیز کی طرف کیا جاتا ہے۔ آیت زیر بحث میں صلہ علی آیا ہے۔ اس میں اور فعل میں بے گانگی بالکل واضح ہے۔ علی کے صلہ کا لفظ رحم کے ساتھ آنا معروف ہے گویا جملہ یوں ہو گا فتاب الیہ و رحم علیہ۔ اس تضمین کی تائید آیت کے آخر میں تواب کے ساتھ رحیم کی صفت " نے سے بھی ہو جاتی ہے۔ تضمین کا مضمون کھولنے کے بعد آیت کا ترجمہ یوں ہو گا۔

"پھر آدم نے پائے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات تو اس نے اس کی طرف توجہ اور رحم فرمایا۔ بے شک وہ توجہ فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے"

۲۔ سأل سائل بعذاب واقع (المعارج۔۱)

یہاں سأل کے ساتھ ب کا صلہ بے گانہ ہے جبکہ یہ استعجل اور استہزء کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ گویا اصل جملہ یوں ہے سأل سائل و استعجل (یا استہزء) بعذاب واقع جس کا ترجمہ یوں ہو گا "ایک سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کی جلدی مچائی (یا اس کا مذاق اڑایا)" مراد یہ ہے کہ عذاب کے بارے میں سائل کا سوال مذاق پر مبنی ہے۔ موقع کلام سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن نے یہاں ایک ایسی صورت حال ہی پر بحث کی ہے جس میں کفار عذاب آخرت کا مذاق اڑا رہے تھے اور اس کا مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ جلدی کیوں نہیں آ رہا ہے۔

۳۔ ثم استوی الی السماء (بقرہ ۲۹)

فعل استوی کے ساتھ الی کا صلہ بے گانہ ہے جبکہ یہ لفظ قصد کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ اس تضمین کی وضاحت کے بعد آیت کے معنی ہوں گے۔ "پھر وہ سیدھا ہو کر آسمان کی طرف متوجہ ہوا" اس سیدھا ہونے اور متوجہ ہونے کا مفہوم وہ ہو گا جو ذات باری کی شان سے مطابقت رکھتا ہو۔

۴۔ اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم (مائدہ ۶)

یہاں بھی قمتم کے بعد قصد تم متضمن ہے جس کے ساتھ الی کی مطابقت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز کے ارادے سے اٹھو تو اپنے منہ دھولو۔۔۔۔۔

۵۔ ما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر (قصص ۴۴)

فعل قضینا صلہ کے بغیر آتا ہے جب کہ یہاں الی کا صلہ موجود ہے جس کے ساتھ مطابقت رکھنے والا فعل ابلغنا ہو سکتا ہے۔ گویا آیت کا ترجمہ یوں گا۔ "تم (پہاڑ کے) جانب غربی میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کیا۔"

۶۔ ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم (نساء ۲۰)

یہاں الیٰ کا حرف تقاضا کرتا ہے کہ تاکلوا کے سوا یہ کسی اور فعل کا صلہ بنے۔ موقع و محل سے یتیموں کے اموال اپنے مالوں کے ساتھ ملانے کا مفہوم نکلتا ہے۔ گویا جملہ یوں ہو گا **لا تاکلوا اموالھم ولا تضموھا الی اموالکم** اور ترجمہ ہو گا ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کر کے ہڑپ نہ کرو۔

۷۔ لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جاءنی (فرقان ۲۹)

عن کا صلہ 'اضل' کے بجائے 'صرف' سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے معنی جملہ میں متضمن ہیں ترجمہ ہو گا۔ اس نے مجھے گمراہ کر کے اس یاد دہانی سے برگشتہ کر دیا بعد اس کے کہ وہ میرے پاس آ چکی تھی۔

۸۔ والذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنھا اولئک اصحب النار (اعراف ۳۶)

فعل استکبار صلہ کے بغیر آتا ہے۔ حرف عن کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ اعراض کا مفہوم متضمن مانا جائے۔ اس لئے آیت کا ترجمہ یوں ہو گا۔ "اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کر کے ان سے اعراض کریں گے وہی دوزخ والے ہیں"

۹۔ ثم بعثنا من بعدھم موسی بایتنا الی فرعون وملا ئہ فظلموا بھا (اعراف ۱۰۳)

قرآن مجید میں کئی جگہ ظلموا انفسھم کے الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کا لفظ صلہ کے بغیر آتا ہے۔ اس کے بعد حرف ب کا تقاضا یہ ہے کہ 'کفروا' 'کذبوا' جیسے افعال جن کے ساتھ ب کا صلہ آتا معلوم ہے متضمن مانے جائیں۔ اس لئے آیت کے ترجمہ میں انکار اور جھٹلانے کا مفہوم شامل کرنا ضروری ہے۔ ترجمہ یوں ہو گا۔

"پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان کے پاس رسول بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم اور نشانیوں کا انکار کیا۔"

۱۰۔ الذین یحشرون علی وجوھھم الی جھنم اولئک شر مکانا (فرقان ۳۴)

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر فعل یحشرون بغیر صلہ کے یا الی کے ساتھ آیا ہے۔ جبکہ سورہ القمر میں یسحبون فی النار علی وجوھھم (وہ آگ میں مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں یحشرون کا لفظ یسحبون کے مفہوم پر متضمن ہے۔ ترجمہ یوں ہو گا۔

"جو لوگ اکٹھے کر کے جہنم کی طرف مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے وہ اپنے ٹھکانے کے لحاظ سے بدتر ہوں گے۔"

ب۔ سلسلہ کلام کے اندر آیات کا اضافہ :

قرآن مجید کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ سلسلہ کلام میں بعض مقامات پر ایک یا زیادہ آیات کا اضافہ کر دیتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ سلسلہ کلام کا حصہ نہیں۔ غور کیا جائے تو اس اضافہ کا مقصد سمجھ میں آ جاتا ہے کہ قرآن نے ایک کلام پر تضمین کر کے مفہوم کو آگے بڑھا دیا ہے۔ اس تضمین کے حسب ذیل مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔

ا۔ کلام کو مطابق حال کرنا
ب۔ کلام کی تائید کرنے کے لئے اس کو مدلل کرنا
ج۔ کلام کی تکمیل کرنا
د۔ کلام کے کسی پہلو کی وضاحت کرنا

اب ہم مثالوں سے تضمین کی اس قسم کو واضح کریں گے۔

ا۔ کلام کو مطابق حال کرنا :

قرآن مجید میں پچھلی قوموں کی تاریخ سے بہت سے واقعات سنائے گئے ہیں۔ یہ محض قصہ یا کہانی کے طور پر نہیں بلکہ قرآن کے بعض دعووں کی تائید کے لئے آئے ہیں۔ اسی طرح آخرت میں پیش آنے والے واقعات کی بھی قرآن نے تفصیل سے خبر دی ہے جو ظاہر ہے کہ قرآن کے مخاطبوں کو بعض حقائق کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ واقعہ یا قصہ کے بیان کو سننے والے بالعموم اس میں اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ وہ اس کو اپنے اوپر منطبق کر کے اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ وہ واقعات کے بیان میں کہیں کہیں سلسلہ کلام کو توڑ کر تضمین کے ذریعے واضح کر دیتا ہے کہ اس بات کو محض ماضی کی ایک حکایت یا مستقبل میں غیروں کے ساتھ پیش آنے والا معاملہ مت سمجھو بلکہ یہ تمہاری اپنی

یایت بھی ہے اور تم بھی اس صورت حال کا مصداق ہو۔ اس طرح کلام مطابق حال ہو جاتا ہے۔ اس اسلوب
ی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

**۔ فاذن موذن بینھم ان لعنۃ اللہ علی الظلمین الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونھا عو
جا وھم بالاخرہ کفرون (الاعراف ۴۴۔۴۵)**

"پھر ایک منادی کرنے والا ان کے بیچ میں پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر ــــ ان پر جو
للہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور جو آخرت کے منکر ہیں۔"

اس مقام پر اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین مکالمہ نقل ہوا ہے جس میں ایک منادی مخل ہو کر
ظالموں پر خدا کی پھٹکار کی خبر دے گا۔ اس موقع پر ایک آیت کی تضمین کے ذریعے بتایا ہے کہ جانتے ہو
س پھٹکار کے مستحق کون ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو آج اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے اور اس میں
کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کو نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ اس تضمین نے اس واقعہ کو مستقبل کی
یک خبر نہیں رہنے دیا بلکہ اس کا مصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں روڑے اٹکانے والے
قریش سرداروں کو ٹھہرایا۔

**ب۔ قالوا ان اللہ حرمھما علی الکافرین الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا وغرتھم
الحیوۃ الدنیا (الاعراف ۵۱)**

"وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں کے لئے حرام کر رکھی ہیں ــــ ان کے لئے
جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنایا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔"

ان آیات کا موقع بھی وہی ہے جس کا تذکرہ اوپر ہوا ہے۔ اہل دوزخ جنتیوں سے پانی اور دوسری نعمتوں کا
سوال کریں گے۔ اس کے جواب میں جنتی ان کو بتائیں گے کہ ان چیزوں سے دوزخیوں کو محروم رکھنے کا فیصلہ ہو
چکا ہے۔ اس موقع پر بھی تضمین کے ذریعے بتایا ہے کہ جانتے ہو یہ محروم لوگ کون ہوں گے۔ یہی قریش لیڈر
جو دین کو مذاق بنائے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں۔ اس تضمین نے مستقبل کے ایک ماجرے کو حال
سے متعلق کر کے قریش پر چسپاں کر دیا ہے۔

**ج۔ قال فما بال القرون الاولی قال علمھا عند ربی فی کتب لا یضل ربی ولا ینسی الذی
جعل لکم الارض مھدا وسلک لکم فیھا سبلا وانزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ازواجا
من نبات شتی کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذلک لایت لاولی النھی منھا خلقنکم و**

**فیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری ولقد ارینہ ایتنا کلھا فکذب وابی قال ــــ
(طٰہٰ ۵۱۔۵۷)**

"اس (فرعون) نے پوچھا تو پھر اگلی قوموں کا کیا حال ہے۔ اس (موسیٰ) نے جواب دیا کہ ان کا علم میرے
رب کے پاس ایک رجسٹر میں ہے۔ نہ میرا رب بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے ــــ وہی رب جس نے تمہارے لئے
زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راہیں نکالیں اور آسمان سے پانی برسایا۔ پس ہم نے اس سے مختلف
نباتات کی گوناگوں قسمیں پیدا کر دیں۔ کھاؤ اور چوپایوں کو چراؤ۔ اس کے اندر اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔
اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔ اور
ہم نے اس فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں تو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ــــ اس نے کہا ــــ" یوں
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مکالمہ کے دوران میں ایک طویل تضمین کے ذریعے قریش کی توجہ اس
امر کی طرف مبذول کرائی ہے کہ جس رب کے ساتھ تمہیں معاملہ پیش آنے والا ہے اس کی نعمتوں سے تم بہرہ
مند ہو رہے ہو۔ اس کی ربوبیت کی شانیں ہر جگہ ظاہر ہو رہی ہیں جن کو دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید اور
آخرت کے وقوع کے بارے میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متکلم کے صیغے
استعمال کر کے ان کے تضمین ہونے کو کھول دیا ہے۔ تضمین کے خاتمہ پر پھر وہی مکالمہ ہے جس کا سلسلہ توڑا گیا
تھا۔ تضمین کے اسلوب سے اصولی مباحث، مستقبل کے ماجرے، اور ماضی کی سرگزشتیں حاضر اور حال کا جامہ
پہنتی ہیں۔

ب۔ کلام کو مدلل کرنا:

بسا اوقات کلام کسی اہم نکتہ تک پہنچتا ہے جس کو مدلل طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ
قاری پر اس کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جائے۔ اصل کلام میں یہ پہلو دبا ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح کے موقع پر
تضمین کے ذریعے بات کو مدلل کر دیا جاتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

**وجدتھا وقومھا یسجدون للشمس من دون اللہ وزین لھم الشیطن اعمالھم فصدھم عن
السبیل فھم لا یھتدون الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبء فی السموت والارض ویعلم ما
تخفون وما تعلنون اللہ لا الہ الا ھو رب العرش العظیم (النمل ۲۴۔۲۶)**

"میں نے اس (ملکہ سبا) کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو پوجتے ہیں اور
شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبا دیئے ہیں۔ اس نے ان کو صحیح راہ سے روک دیا ہے
پس وہ راہ یاب نہیں ہو رہے ہیں۔ (شیطان نے ان کو صحیح راہ سے روک دیا ہے) کہ وہ اللہ کو سجدہ

نہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے"

اقتباس کے آغاز میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے ایک کارکن ہدہد کی اس رپورٹ کا ایک حصہ ہے جو اس نے ملک سبا کی مذہبی حالت کے بارے میں دی تھی۔ اس نے بتایا کہ ملکہ سبا اور اس کے درباری آفتاب پرست ہیں اور توحید کی راہ سے شیطان نے ان کو روک رکھا ہے۔ اس موقع پر تضمین کے ذریعے شرک کی نفی اور توحید کے حق میں نہایت واضح دلیل بیان فرما دی کہ زمین و آسمان کے اندر کی تمام پوشیدہ چیزوں کو بے نقاب کرنے والا تو اللہ ہے۔ وہ لوگوں کے پوشیدہ اور علانیہ سے بھی واقف ہے تو غیر اللہ کی بندگی آخر کس بنا پر روا ہو سکتی ہے! بندگی کا حق صرف اللہ کا ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔

۲۔ ولئن سا لتھم من خلق السموات و الا رض لیقولن خلقھن العزیز العلیم الذی جعل لکم الا رض مھدا وجعل لکم فیھا سبلا لعلکم تھتدون والذی نزل من السماء ماء بقدر فانشرنا بہ بلدۃ میتا کذلک تخرجون والذی خلق الا زوا ج کلھا وجعل لکم من الفلک والا نعام ما ترکبون(الزخرف۹۔۱۲)

"اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ لازماً یہی جواب دیں گے کہ ان کو خدائے عزیز و علیم نے پیدا کیا ہے۔۔۔۔۔ وہی جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے رکھے کہ تم راہ پاؤ اور جس نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازہ کے ساتھ۔ پس ہم نے اس سے حیات تازہ بخش دی ایک مردہ زمین کو۔ اسی طرح تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام گوناگوں قسم کی چیزیں پیدا کیں اور تمہارے واسطے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو"

یہاں عرب کے مشرکین کا تضاد فکر زیر بحث ہے کہ وہ عملی شرک میں مبتلا ہیں لیکن ان سے سوال کریں کہ یہ کائنات کس نے بنائی ہے تو جواب دیں گے کہ ایک زبردست اور حکمت والے خدا نے۔ اس پر تضمین کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ وہ کائنات پر اگر ٹھیک ٹھیک غور کریں تو اس میں خالق کی قدرت، ربوبیت اور حکمت کے ایسے آثار نظر آتے ہیں کہ آدمی پکار اٹھتا ہے کہ واقعی اللہ ایک ہے اور یہ کائنات ابدی نہیں بلکہ یہ نظام ختم ہو کر رہے گا اور لوگوں کو روز جزا و سزا کا سامنا کرنا ہو گا۔ ان دلائل کے بعد شرک کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے!

۳۔ اسی طرح کا ایک موقع سورہ العنکبوت کی آیات ۱۸۔ ۲۳ میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنی قوم سے خطاب کو تضمین کے ذریعے مدلل کیا گیا ہے۔ وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں تم جو خلق کے مظاہر دیکھتے ہو

پھر ان پر فنا آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ کھڑا کر دیتا ہے۔ تو یہ مشاہدہ اس لئے کرایا جا رہا ہے کہ تم مرنے کے بعد کی زندگی کو بعید از امکان نہ سمجھو۔ تضمین کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔

ج۔ کلام کی تکمیل کرنا :

واذ قال لقمن لا بنہ وھو یعظہ یبنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم و وصینا الا نسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن و فصالہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک الی المصیر وان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفا واتبع سبیل من اناب الی ثم الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون(لقمن ۱۳۔۱۵)

"اور یاد کرو جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیو۔ بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔۔۔۔۔ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا کہ میرے شکر گزار رہو اور اپنے والدین کے۔ میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے باب میں تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات نہ مانیو اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک رکھیو۔ اور پیروی ان کے طریقہ کی کیجیو جو میری طرف متوجہ ہیں۔ پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے اور میں جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس سے تم کو آگاہ کروں گا۔"

یہاں کلام کے آغاز میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت بیان کرنی شروع کی جس میں انہوں نے خدا کی شکر گزاری کے بعد والدین کا حق ہوتا ہے جس کی تلقین حضرت لقمان نے خلاف ادب سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دی اور ان کی نصیحت دوسری سمت میں نکل گئی۔ اس اہم خلا کو ان کی تقریر توڑ کر تضمین کے ذریعے بھر دیا تاکہ یہ اہم موعظت مکمل ہو جائے۔

د۔ کلام کی وضاحت کرنا :

کبھی تضمین کے ذریعے بر سر موقع کسی اہم لیکن مختصریات کی مزید وضاحت کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سخن کو کھول کر بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ بات ہر پہلو سے آشکارا ہو جائے۔

ا۔ ولا تخزنی یوم یبعثون یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم وازلفت الجنۃ للمتقین وبرزت الجحیم للغاوین (الشعراء ۸۷۔۹۱)

"اور جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن مجھے رسوا نہ کرنا۔۔۔۔۔ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔۔۔۔۔ بس وہ فائز المرام ہوں گے جو تندرست اور پاک دل لے کر حاضر ہوں گے۔ اور جنت متقیوں کے لئے قریب لائی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے لئے بے نقاب کر دی جائے گی۔"

اس اقتباس کے آغاز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ایک حصہ نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے یوم آخرت کی رسوائی سے پناہ مانگی ہے۔ اس پر تضمین کرتے ہوئے یوم آخرت کی خصوصیات کو کھول دیا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ اس دن کامیابی انہی لوگوں کے لئے ہو گی جو دنیا میں اپنے دل کو شرک اور نفاق کی ہر آلائش سے محفوظ رکھے رہے اور تقویٰ کی زندگی اختیار کی اس میں ان لوگوں کا کوئی حصہ نہ ہو گا جو بھٹکتے رہے۔ اگرچہ وہ دنیا میں کتنے ہی صاحب حیثیت کیوں نہ رہے ہوں۔

۲۔ انا امنا بربنا لیغفرلنا خطینا وما اکرھتنا علیہ من السحر واللہ خیر وابقی انہ من یات ربہ مجرما فان لہ جھنم لا یموت فیھا ولا یحیی ومن یاتہ مومنا قد عمل الصلحت فاولئک لھم الدرجت العلی۔ (طہ ۷۳۔۷۵)

"ہم اپنے رب پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا بخشے اور اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔۔۔۔۔ بے شک جو اپنے رب کے سامنے مجرم کی حیثیت سے حاضر ہو گا تو اس کے لئے جہنم ہے، نہ اس میں مرے گا نہ جئے گا۔ اور جو اس کے پاس باایمان ہو کر جائیں گے۔ انہوں نے نیک عمل بھی کئے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جن کے لئے اونچے درجے ہوں گے۔"

ان آیات سے قبل قوم فرعون کے جادوگروں کے ایمان لانے کا واقعہ نقل ہوا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور دین کو پوری استقامت کے ساتھ اختیار کیا۔
انہوں نے اپنی سابقہ زندگی کی خطاؤں کی معافی کے لئے رب سے دعا کی۔ اس موقع پر برمحل وضاحت کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش کا ضابطہ کیا ہے۔ اور اس کے لئے تضمین کا اسلوب اختیار کیا گیا۔

مقالات

خالد مسعود

قرآن کا تصوّرِ جنگ

جہاں فوج کشی یا جنگ کا جواز موجود ہو تو اس ذمہ داری سے اچھی طرح عہدہ برا ہونے کے لئے قرآن مجید نے ایسی عملی ہدایات دی ہیں جو ہر زمانے میں کام آنے والی ہیں۔ ان کو ہم قبل از جنگ، دوران جنگ اور بعد از جنگ کے مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

مرحلہ قبل از جنگ:

قرآن مجید کی رو سے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دشمنان دین پر اپنی دھاک بٹھائے رکھنے کے لئے افواج کو مستعد اور بہتر جنگی ساز و سامان سے لیس رکھیں تاکہ اول تو دشمن کو ان کے خلاف نبرد آزما ہونے کے تصور ہی سے وحشت ہو، اور اگر وہ اس کی ہمت کر ہی لے تو وقت آنے پر مسلمانوں کو جوابی کارروائی کرنے کی تیاری میں زیادہ وقت درکار نہ ہو۔ فرمایا:۔

اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واخرین من دونھم (انفال ۶۰)

"ان کے لئے جس حد تک کر سکو فوج اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے اور تمہارے ان دشمنوں پر بھی تمہاری ہیبت رہے اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی۔"

اس آیت میں قوۃ سے مراد وہ افرادی قوت ہے جو لڑنے کے کام آتی ہے۔
رباط الخیل سے مراد قدیم زمانے کے رسالے کی پلاٹون ہیں۔ ان میں تربیت شدہ گھوڑے اور گھڑ سوار فوج ہوتی تھی اور ان کی حیثیت وہی تھی جو آج کل کی لڑائی میں ٹینکوں اور بکتربند گاڑیوں کی ہوتی ہے۔ افرادی قوت اور گھڑ سوار فوج کو تیار رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست فوج کے جوانوں اور افسروں کے لئے

تربیتی ادارے قائم کرے' فوجیوں کو مستعد رکھے' اسلحہ کا انتخاب اس نوعیت کا ہو جو دشمنوں پر ریاست کی قوت کا رعب طاری کر دے۔ فوجی قوت کے مظاہرے وقتاً فوقتاً کرتے رہنا اس مقصد کو حاصل کرنے میں مفید ہو سکتا ہے۔

ایک اسلامی ریاست زمانہ امن میں بھی اپنے دفاع سے غافل نہیں ہو سکتی اس لئے اس کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ دشمنوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ وہ انکے علاقوں میں اپنے مخبر تعینات کر سکتی ہے جو دشمن کی تیاریوں اور اہداف پر نظر رکھیں اور اگر ایسے امور کا مشاہدہ کریں جن سے مسلمانوں کے خلاف کسی خیانت کی بو آتی ہو تو وہ فی الفور اسلامی ریاست کو اس سے مطلع کریں تاکہ وہ ان کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظرثانی کرے اور مناسب اقدام کر سکے۔ یہ اطلاع نہایت رازدارانہ ہونی چاہئے۔ اس سلسلہ میں قرآن نے منافقین کی ایک خطرناک عادت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا ہے۔

اذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (النساء۔ ۸۳)

"اور جب ان کو کوئی بات امن یا خطرے کی پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس کو رسول اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے تو جو لوگ ان میں سے بات کی تہہ کو پہنچنے والے ہیں وہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے۔"

اس آیت میں دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں افواہوں کو روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عام حالات میں بھی اجتماعی زندگی میں افواہیں نہایت خطرناک نتائج پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جب دشمن مقابل میں موجود ہو تو افواہوں کی خطرناکی کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور عوام اور افواج دونوں کا مورال تباہ کرنے میں ان کا ہاتھ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ حاصل شدہ ہر اہم اطلاع کو صرف مسلمانوں کے ذمہ داروں کے علم میں لایا جائے تاکہ وہ مزید تحقیق کے بعد اس پر مناسب قدم اٹھانے کا فیصلہ کر سکیں۔

قرآن مجید کی اس رہنمائی کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ کشیدگی کے دنوں میں صحابہ کرام کی پارٹیاں ترتیب دے کر ان کو مختلف مقامات کی طرف روانہ فرماتے تاکہ وہ ضروری معلومات حاصل کریں یا دشمن کی جنگی تیاریوں کی اطلاع لے کر آئیں۔ یہ ایک حادثہ ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں اس طرح کی مہمات کو قریش کے قافلے لوٹنے یا اس طرح کے مقاصد حاصل کرنے کی کارروائیاں بتایا گیا ہے۔ حالانکہ مہم پر بھیجی جانے والی نفری کی معمولی تعداد پر قیاس کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ان مہمات کا ہدف صرف دشمنوں کی نقل و حرکت اور جنگی تیاریوں پر نظر رکھنا تھا۔ ایسی کارروائیاں ہر زمانے میں ضروری ہوتی ہیں اور ایک اسلامی حکومت ان کا اہتمام کرتی ہے تاکہ دشمن اس کو اچانک حملہ کر کے کسی مشکل میں نہ ڈال دیں۔

اس ضمن میں قرآن کی ایک جامع ہدایت خذوا حذرکم ہے۔ یعنی اپنی احتیاطی و حفاظتی تدابیر اختیار کرو اور دشمن کے ارادوں کے مقابل چوکنے رہو۔ حذر کا لفظ ایک جامع لفظ ہے جس میں خطرات سے بچنے کی تمام حفاظتی تدابیر شامل ہیں۔ اپنے سپاہیوں کو ہمیشہ مستعد اور تیار رکھنا' پرخطر سرحدوں پر چوکیاں قائم کرنا اور وہ تمام اقدامات کرنا جن سے ضرورت کے وقت فوج کی نقل و حرکت میں کوئی مشکل پیش نہ آئے' اس ہدایت کا لازمی تقاضا ہے۔ اس لفظ میں وہ ضروری اسلحہ جنگ بھی شامل ہیں جو دفاع کے کام آتے ہوں یا جو حملہ کے لئے ضروری ہوں۔

قتال فی سبیل اللہ کے لئے کئے گئے انتظامات کثیر مالی وسائل کا تقاضا کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس طرح کے مواقع میں دل کھول کر خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ خاص جنگی تیاریوں کے ضمن میں فرمایا ہے۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (بقرۃ ۱۹۵)

"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو تباہی میں نہ جھونکو اور انفاق خوبی کے ساتھ کرو۔ بے شک اللہ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

جنگی تیاریوں کے سلسلے میں بخل سے کام لینا قوم کو ہلاکت کے غار میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ ہر زمانہ میں امت مسلمہ اپنی جنگی ضروریات کے لئے وسائل مہیا کرنے میں فیاضانہ رویہ اختیار کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس خرچ کو اپنے لئے قرض حسن سے تعبیر کیا ہے اور اس کو کئی گنا اضافے کے ساتھ لوٹانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

مرحلہ جنگ :

جنگ سے آخری حد تک گریز اسلام کے مزاج میں ہے۔ اسی لئے قریش جیسے خطرناک دشمنوں کے بارے میں بھی فرمایا۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ (انفال ۶۱)

"اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جائیو اور اللہ پر بھروسہ رکھیو۔"

صلح حدیبیہ کا معاہدہ قرآن کے اسی حکم کی تعمیل کی ایک واضح دلیل ہے۔ جنگ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ سے عافیت چاہو۔ لیکن جب مڈبھیڑ ہو جائے تو مقابلے میں ڈٹ جاؤ اور یاد رکھو کہ تلواروں کے سایوں میں جنت ہے۔"

جب فوج کشی ناگزیر ہو جائے اور دشمن صلح پر کسی طرح مائل نہ ہو تو قرآن صورت حال کے مطابق ہر نوعیت کی جنگ لڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس ضمن میں اس کی تعلیم یہ ہے کہ:

انفروا ثبات او انفروا جمیعا (النساء ۷۱)

"جنگ کے لئے نکلو ٹکڑیوں کی شکل میں یا مجتمع فوج کی صورت میں۔"

ٹکڑیوں کی شکل میں نکلنے کی صورت وہ ہے جس کو آج ہم گوریلا جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں چھاپہ مار دستے حصہ لیتے ہیں اور ضرورت کے مطابق مختصر کارروائی کرتے ہیں۔ اس جنگ کے مقاصد محدود ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں چھاپہ مار دستے مختلف مقاصد کے حصول کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ ان میں دشمنوں کی معاندانہ سرگرمیوں کو روکنا' اپنے زیر انتظام علاقہ میں ان کی غارت گری کو بند کرنا اور تعاقب کرکے ان پر اپنی دھاک بٹھانا شامل تھا۔ ان دستوں کی کارروائی کے بعد بسا اوقات مدینہ منورہ کی ریاست کے بعض قبائل عرب سے حلیفانہ معاہدات طے پا گئے جس کے نتیجہ میں اسلامی ریاست کے دائرہ اختیار میں اضافہ ہو گیا۔ کبھی چھاپہ مار کارروائی کی صورت کمانڈو ایکشن کی ہوتی تھی جس کے نتیجہ میں بعض سرگرم مخالفین کا قلع قمع مقصود ہوتا تھا۔ مجتمع فوج کی لشکر کشی سے مراد وہ جنگ ہے جس میں فوج باقاعدہ منصوبہ بندی سے صف بستہ ہو کر دشمن سے لڑتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات اسی نوعیت کے ہیں۔ ان میں پیادہ اور سوار فوج نے حصہ لیا۔ ان جنگوں میں اس زمانے کا ہر اسلحہ استعمال ہوا اور موقع و محل کے مطابق جنگی حکمت عملی اپنائی گئی۔

اسی باقاعدہ جنگ ہی کی ایک شکل جس کا تصور قرآن نے دیا ہے وہ کامل جنگ (TOTAL WAR) ہے۔ قریش ابتدائی جنگوں میں نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو انہوں نے جنگ کی منصوبہ بندی اس طور پر کی کہ تمام حلیف قبائل کی طاقت کو بھی جمع کر لیا۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ ہر قیمت پر دین اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اس پر قرآن نے کامل جنگ کا حکم دیا:

قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (التوبہ-۳۶)

"مشرکوں سے جنگ کرو من حیث الجماعت جس طرح وہ تم سے جنگ کرتے ہیں من حیث الجماعت۔"

جس طرح فوج کی کم یا زیادہ تعداد کے باعث جنگ کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے اسی طرح اسلحہ کی کمی بیشی یا صلاحیت کی کمزوری اور مضبوطی بھی اس کے طریق کار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قرآن نے ہر طرح کی صورت میں مقاصد ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

انفروا خفافا و ثقالا و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ (التوبہ-۴۱)

نکلو' ہلکے سامان کے ساتھ بھی اور بھاری سامان کے ساتھ بھی' اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔"

قرآن نے پیدل فوج اور سوار فوج دونوں کا ذکر کیا ہے اور جنگ کے دوران سپاہیوں کو ضروری حفاظتی ہتھیاروں سے ہر وقت لیس رہنے کی ہدایت ہے' چنانچہ میدان جنگ میں جب وہ نماز ادا کریں تو ہدایت کی گئی

ہے کہ وہ اپنے حفاظتی ہتھیار لگائے رکھیں اور ایک حصہ فوج ان کا پہرہ دے۔

مرحلہ بعد از جنگ:

قرآن مجید نے جنگ کے ضمن میں تین اور ہدایات ایسی دی ہیں جو جنگ کے مقاصد کو حاصل کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کا اثر فوج کے مورال پر بھی پڑتا ہے اور سلسلہ جنگ کے خاتمہ کا بھی ان سے بڑا تعلق ہے۔ ان میں پہلی ہدایت شکست خوردہ دشمن کے تعاقب کی ہے۔ جس کے متعلق فرمایا ہے کہ

لا تھنوا فی ابتغاء القوم (النساء ۱۰۴)

"دشمن کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ"

شکست خوردہ فوج کا تعاقب فتح مند فوج کے لئے کامیابی کی مقدار کو کہیں زیادہ بڑھا دیتا ہے کیونکہ شکست کھائے ہوئے سپاہی پست حوصلہ ہو کر اپنے مورچے چھوڑتے چلے جاتے ہیں اور ان کے لئے جلد سنبھل کر دوبارہ صف بستہ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ان کی پسپائی سے فائدہ اٹھانے میں فاتح فوج کو کمزوری نہیں دکھانی چاہئے۔ پسپائی کے بارے میں یہ جاننا کمانڈر کا کام ہے کہ پسپائی حقیقی ہے یا مد مقابل فوج کو چکمہ دینے یا پیچھے ہٹ کر اپنی فوج کے ساتھ ملنے کی غرض سے ہے۔

اللہ کی راہ میں لڑنے والے سپاہی کا پسپائی اختیار کرنا قرآن کی رو سے ایک گناہ کبیرہ ہے' البتہ وہ جنگی چال کے طور پر یا اپنی فوج کے دوسرے حصہ کے ساتھ جا ملنے کی غرض سے ایک مورچے سے پسپائی اختیار کر سکتا ہے۔

دوسری اہم ہدایت دشمن فوج کی پشت پناہی کرنے والی طاقت کو توڑنا ہے۔ فرمایا ہے

اما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم (الانفال-۵۷)

اگر تم انہیں جنگ میں پا جاؤ تو انہیں ایسی مار مارو کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی تتر بتر کر دو۔"

آیت کے موقع و محل میں پشت پناہی کرنے والی طاقت یہود تھے جو قریش کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دیتے اور جنگ کی منصوبہ بندی میں ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ لیکن ہر جنگ میں مختلف طاقتیں کسی محاذ جنگ کی طاقت کا باعث ہوتی ہیں۔ ان کا کھوج لگانا اور ان پر کاری ضرب لگا کر ان کو دشمن کی مدد سے باز رکھنا' نیز محاذ جنگ پر لڑنے والی فوج کی سپلائی لائن کو کاٹنا اور کمک کے راستے مسدود کرنا اس آیت کا واضح تقاضا ہے۔

اس زمانے میں دنیا محدود ہو کر رہ گئی ہے اور جنگ کے اسباب پیدا کرنے والی طاقتیں محاذ جنگ سے کہیں دور ہو سکتی ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ ان کے زور کو جنگی کارروائی ہی سے توڑا جا سکے۔ اس کے لئے ڈپلومیسی اور سفارتی ذرائع سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا مقصد تو پشت پناہی کرنے والی طاقتوں کو تتر بتر کرنا

اللہ اور غیر اللہ کے لئے لڑنے میں جو فرق ہے وہ یہی ہے جو ایک بامقصد اور بے مقصد جدوجہد میں ہوتا ہے۔ ایک میں ضمیر نہ صرف مطمئن بلکہ آرزومند بھی ہوتا ہے کہ مقصد حق کے لئے جان کی بازی لگائی جائے' دوسرے میں ضمیر برابر کشمکش کا شکار رہتا ہے اور سپاہی اپنی جان بچانے کو ترجیح دیتا ہے۔ مسلمان سپاہی کو اس بات کی تربیت دی جانی چاہیے کہ اس کی خدمت خدا کے ہاں ترقی درجات کا باعث ہو گی۔

سپاہی کی تربیت کے دو پہلو ہیں۔ ایک فنون جنگ کی تربیت' دوسری ذہنی و اخلاقی تربیت' جہاں تک فنون جنگ کا تعلق ہے یہ انسان کی اپنی سوچ اور تجربہ کی چیز ہیں۔ ہر زمانہ کے انسان نے اپنی ضروریات کے مطابق ان کو نشوونما دی ہے۔ ایسی چیزوں سے قرآن کو بحث نہیں ہوتی۔ لہٰذا جس طرح وہ ہمیں یہ تعلیم نہیں دیتا کہ کھیت میں کیسے ہل چلائیں' کس موسم میں بیج ڈالیں' کب پانی دیں اور فصل کاٹنے تک اس کی نگہداشت کا کیا انتظام کریں' اسی طرح قرآن کو اس سے بھی بحث نہیں کہ انسان کون سے ہتھیار ایجاد کرے' ان کو استعمال کیسے کیا جائے اور جنگی چالیں کیا ہوں۔ یہ تمام باتیں انسانی تحقیق و تجربہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرآن کا موضوع سپاہی کی ذہنی و اخلاقی تربیت ہے۔ قرآن جنگ کا جو جواز فراہم کرتا ہے اس سے سپاہی کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے اور وہ ترقی درجات کے لئے لڑنے کو سعادت سمجھتا ہے۔ اس کے بعد قرآن سپاہی کا نظریہ زندگی درست کرتا ہے۔ وہ اس کو بتاتا ہے کہ انسان کی زندگی اللہ نے لکھ دی ہے۔ اس میں انسان اپنے اختیار سے نہ ایک سیکنڈ کی کمی کر سکتا ہے نہ زیادتی۔ انسان موت سے فرار اختیار کر کے قلعہ بند ہو کر ہی کیوں نہ بیٹھ جائے' موت اپنے وقت پر اس کو آ لے گی۔ اسی طرح جس انسان کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا وہ تیر و تفنگ کی بوچھاڑ میں بھی نہیں مر سکتا۔ لہٰذا ایک سپاہی کے لئے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ وہ موت سے بے پروا ہو کر اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے۔ زندگی اور موت کا یہ تصور عزیمت و استقامت کی راہ میں استوار رہنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ یہ ایک مسلمان سپاہی کو بہادر' جری اور فرض شناس بناتا ہے۔ وہ سر کفن ہو کر میدان جنگ میں اترتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی چیز اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔

مسلمان سپاہی کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اس کے تمام معاملات پر کامل اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اگر اس کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ اس کے زور بازو کا نہیں بلکہ اللہ کے فضل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ وہی ہوتی ہے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کر دی ہو۔ اس تعلیم کے نتیجہ میں سپاہی میدان جنگ میں نہ تو اتراتا اور اکڑتا ہوا اترتا ہے اور نہ مایوس و دل شکستہ ہو کر' بلکہ وہ پر عزم ہو کر کہتا ہے

لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ہو مولانا و علی اللہ فلیتوکل المومنون۔
(التوبہ۵۱)

"ہمیں وہی مصیبت پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ وہ ہمارا مولا ہے۔ اور اللہ ہی پر

ہے۔ اس کے لئے کیا ذرائع استعمال کئے جائیں' موقع و محل اور وسائل کے لحاظ سے اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

تیسری اہم ہدایت دشمن کے سپاہیوں کو جنگی قیدی بنانے کی ہے۔ ان کی رہائی حالات جنگ کے خاتمہ کے بعد عمل میں آنی چاہئے۔ یہ شکست خوردہ دشمن کو اپنا احسان مند بنا کر بھی کی جا سکتی ہے اور اگر دشمن کا دم خم ابھی باقی ہے تو اس پر تاوان ڈال کر بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ فرمایا

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها (محمد۔ ۴)

"پھر جب تمہاری مڈبھیڑ کافروں سے ہو تو خوب گردنیں مارنا ہے۔ جب اچھی طرح خون بہا چکو تو ان کو قید کرو۔ اس کے بعد خواہ ان کو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر' یہاں تک کہ جنگ کا زور ٹوٹ جائے۔"

ہلاکت خیز اسلحہ کا مسئلہ :

اس زمانے میں ایسے ہتھیار ایجاد ہو گئے ہیں جن کے استعمال سے بہت بڑی تعداد میں نسل انسانی تباہ ہو جاتی ہے۔ ان کی ہلاکت خیزیوں سے خود ان کی موجد قومیں خوف زدہ ہیں۔ اس کے برعکس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی جنگوں میں جانوں کا اتلاف حیرت انگیز طور پر کم ہے۔ سات بڑے غزوات میں کل ۱۳۶ صحابہ شہید ہوئے جب کہ دشمن کے مقتولین کی تعداد ۲۸۶ تھی۔ اس میں اگر چھوٹی جھڑپوں کی تعداد ملائی جائے تو مسلمان شہداء کی تعداد ۲۵۵ اور کفار مقتولین کی تعداد ۷۵۹ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے کم جانی نقصان کا سبب صرف یہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں بارود اور ٹی این ٹی کی قسم کی چیزیں میسر نہ تھیں بلکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ اصول جنگ کو دخل ہے جن میں یہ ضروری قرار دیا گیا کہ صرف بر سرپیکار فوج ہی کو نقصان پہنچانا جائز ہے۔ اس میں بھی اصل ہدف جانوں کا اتلاف نہیں بلکہ مقاصد جنگ کا حصول ہے۔ آج بھی دنیا جن مسائل سے دوچار ہے ان میں سرفہرست ہلاکت خیز ہتھیاروں سے بچاؤ اور جنگ کے خاتمہ کا مسئلہ ہے۔ اس کا حل اسلام کے فلسفہ جنگ کے اختیار کرنے میں مضمر ہے۔

مسلمان سپاہی کی تربیت :

جنگ سے متعلق ایک اہم سوال سپاہی کی تربیت کا ہے کیونکہ سپاہی کو موقع جنگ پر موجود رہ کر اور اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر مقاصد جنگ کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ اگر وہ تربیت یافتہ نہ ہو تو وہ موت کے منہ میں جانے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ آج ترقی یافتہ ممالک کو فوجیوں کی طرف سے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ وہ آسائشوں کے بغیر فوج میں رہنا اور لڑنا نہیں چاہتے اور حکومتوں کے پاس کوئی ایسی بنیاد نہیں جس پر وہ ان کو موت کے بالمقابل سینہ سپر ہونے کا حوصلہ دے سکے۔ اس صورتحال کا باعث ان کے ہاں جنگ کے اخلاقی جواز کا فقدان ہے۔ قرآن مجید کے قتال فی سبیل اللہ کے تصور میں جنگ کے جواز کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کے لئے بھروسہ کرنا زیبا ہے۔"

زندگی اور موت کے بارے میں بنیادی نقطہ نظر درست ہونے کے بعد ایک مسلمان سپاہی کے کردار کے لازمی اجزا صبر و استقامت اور توکل علی اللہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ مشکلات سے اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں ہوتی۔ مشکل سے مشکل مراحل میں وہ فرض شناسی سے اپنے مورچے پر ڈٹا رہتا ہے۔ اس کا فلسفہ زندگی اس کو بتاتا ہے کہ زندگی اس کے اعمال کی آزمائش کے لئے ہے۔ راہ حق میں اس کا مشکلات کا مقابلہ کرنا اس کی ترقی درجات کا باعث ہوگا۔ اور اگر وہ کمزوری دکھائے گا تو یہ کمزوری اس کو خدا کی نظروں سے گرانے کا باعث ہوگی۔ چنانچہ وہ اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر استقامت کا مظاہرہ کرتا اور اس پر اللہ سے اجر کی امید رکھتا ہے۔

ایک مسلمان سپاہی کو تربیت دی جاتی ہے کہ اس کو اصل اعتماد اپنے زور بازو' اپنے اسلحہ یا اپنی فوج کی کثرت تعداد پر نہیں بلکہ صرف اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے جو حالات کو سازگار بنا دینے' اکثریت کے دل میں اقلیت کا خوف بٹھا دینے اور اپنے دین کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کی نصرت پر قادر ہے۔ اس کے بندے جب اس کی نصرت پر ایمان رکھتے ہوئے لڑتے ہیں تو وہ ان کی مدد اپنے فرشتوں اور غیر مرئی لشکروں سے کرتا ہے۔

سپاہی کی حوصلہ مندی اور اللہ پر اعتماد قائم رکھنے کے لئے اس کو نماز اور ذکر الہی کا سہارا لینے کا حکم ہے۔ خدا کی یاد اس کا تعلق اپنے اصل کارساز سے جوڑے رکھتی ہے اور اس کا توکل مضمحل نہیں ہونے پاتا۔

مسلمان سپاہی کو اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ اس کا نظم و ضبط کی پابندی کرنا ایک عبادت ہے۔ اس کو ہمیشہ مستعد رہنا' اور احکام پر دل و جان سے کاربند رہنا ہوگا۔ اس کی قوت کو کمزور کرنے والی چیز احکام کے خلاف بحثیں اٹھانا اور رائے ہموار کرنا ہے۔ قرآن نے اس عادت کو نجویٰ سے تعبیر اور ایک شیطانی صفت قرار دیا ہے۔

انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین امنوا و لیس بضاریہم شیئا الا باذن اللہ۔
(المجادلہ-۱۰)

"یہ سرگوشیاں شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو غم پہنچائے حالانکہ اللہ کے اذن کے بغیر وہ ان کو ذرا بھی نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔"

قرآن کی حربی تعلیم قرون اولی کے مسلمانوں کے لئے کامیابیوں کی ایک کلید ثابت ہوئی اور انہوں نے اس کی بدولت اپنے وقت کی مہذب دنیا کے ایک بڑے حصہ پر حکومت کی۔ یہ آج چودہ سو سال بعد بھی کامیابی کی ضامن ہے بشرطیکہ ہم اس کی تعلیم کو رواج دے سکیں اور اس کے مطابق عمل کر سکیں۔